جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرة مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہٗ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

شوال المکرم

سنہ ۱۴۱۵ھ

مارچ

سنہ ۱۹۹۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

جلد : ۳ | شوال المکرم ۱۴۱۵ھ ۔ مارچ ۱۹۹۵ء | شمارہ : ۶

مدیر

سید محمود میاں

[illegible]

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے . . . . سالانہ ۱۱۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ... 〃 ۴۵ ریال

بھارت، بنگلہ دیش . . . . . . 〃 ۱۰ امریکی ڈالر

امریکہ افریقہ . . . . 〃 ۱۶ ڈالر

برطانیہ . . . . 〃 ۱۷ ڈالر

◯ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . . سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ۵۴۰۰۰، فون ۲۰۱۰۸۶ ـ ۲۰۹۰۵۲

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

حرفِ آغاز	۳
درسِ قرآن ــــ حضرت مولانا قاری محمد طیب رح	۱۰
درسِ حدیث ــــ حضرت مولانا سید حامد میاں رح	۲۲
تجھ سا کوئی نہیں (نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم)	۲۷
سیرۃِ مبارکہ ــــ حضرت اقدس مولانا سید محمد میاں رح	۲۸
المؤمن مرآۃ المؤمن ــــ مولوی محمد حسین	۳۴
علمائے سلف کی درسگاہیں ــــ جناب قاضی اطہر مبارک پوری	۳۶
فقہ حنفی اور اسکی خصوصیات و اولیات ــــ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۴۳
دار الافتاء ــــ مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب	۵۱
جامعہ مدنیہ کے سالانہ امتحان کی مفصل رپورٹ	۵۳
مالک رام کا قبولِ اسلام	۵۷
بزمِ قارئین	۵۸
تقریظ و تنقید	۵۹

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد۔ یو۔ پی۔ انڈیا

"توہینِ رسالت کیس"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناموسِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تقدّس کے حوالے سے توہینِ رسالت کا کیس ایک انتہائی حساس اور نازک کیس ہے، کیونکہ توہینِ رسالت سے جہاں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عزّت و ناموس پر حرف آتا ہے وہیں تمام اہلِ اسلام کی آپ سے عقیدت پر زد پڑتی ہے اور اُن کے قلوب مجروح ہوتے ہیں جس کا انجام بسا اوقات انتہائی بھیانک صورت میں ظاہر ہوتا ہے، نامور وکیل جناب اسماعیل قریشی کی پیہم جدوجہد سے فیڈرل شریعت کورٹ متفقہ طور پر یہ فیصلہ صادر کر چکی ہے کہ توہینِ رسالت کی سزا صرف موت ہے، یہ فیصلہ قانونی شکل میں پورے ملک میں نافذ العمل ہے۔

لیکن ہمارے یہاں المیہ یہ ہے کہ قانون کو بالادستی حاصل نہیں ہے جس کی وجہ سے بڑے بڑے مجرم انتہائی سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے کے باوجود سزا سے بچ جاتے ہیں۔ انہی جرائم میں سے ایک سنگین جرم توہینِ رسالت کا ہے، یوں تو ہمارے ملک کی عدالتوں میں توہینِ رسالت کے بہت سے کیس زیرِ سماعت ہیں لیکن "رتہ دوہتڑ" کے سلامت مسیح اور رحمت مسیح کے توہینِ رسالت کیس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوگئی ہے، اس کیس کی تفصیلات کچھ اس طرح سے منظرِ عام پر آئی ہیں کہ

> "ضلع گوجرانوالہ کے تھانہ کوٹ لدھا کے گاؤں رتہ دوہتڑ کی جامع مسجد میں مئی ۱۹۹۳ء میں ایسی پرچیاں ملنی شروع ہوئیں جن میں جنابِ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شانِ اقدس میں گستاخانہ جملے درج ہوتے، پرچیاں مسجد میں پھینکی جاتیں اور پھینکنے والوں کا پتہ نہ چلتا، گاؤں کے لوگ اس صورتِ حال سے پریشان تھے۔ کچھ لوگوں نے ٹوہ لگانا شروع کی، ۹ مئی ۱۹۹۳ء کا واقعہ ہے کہ مذکورہ مسجد کے امام حافظ محمد فضل حق اور اُن کے ساتھ محمد بخش گوجر نمبردار اور حاجی محمد اکرم نے تین افراد کو گاؤں کی ایک

دیوار پر اسی قسم کے گستاخانہ جملے لکھتے دیکھ لیا، ان تین افراد میں ایک تو رحمت مسیح تھا۔ دوسرے افراد منظور مسیح اور سلامت مسیح تھے۔ حافظ فضل حق اور اُن کے رفقاء نے ملزموں کو پکڑنے کی کوشش کی، رحمت مسیح بھاگ گیا، دوسرے دونوں پکڑے گئے اور اُن کے پاس اسی قسم کی پرچیاں بھی ملیں جو مسجد میں پھینکی جاتی تھیں۔ اُنھیں تھانے لے جایا گیا، پولیس نے اُنھیں حوالات میں بند کر دیا لیکن مقدمہ درج کرنے میں روایتی ٹال مٹول سے کام لیا، تاہم اس گاؤں کے ساتھ والے دوسرے گاؤں کوٹ لالہ کے ماسٹر عنایت کی جدوجہد اور عوام کے پُرزور احتجاج اور تھانے کے گھیراؤ کرنے پر پولیس نے دو دن کی تاخیر سے ملزموں کے خلاف توہینِ رسالت کے قانون کے تحت مقدّمہ درج کر لیا، گوجرانوالہ کے سیشن کورٹ میں مقدمہ کی سماعت شروع ہوگئی، کیس کی سماعت کے دوران بیرونی لابیوں نے اس میں بھرپور دلچسپی لی اور ججوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی، ان کی کوششوں سے ملزم ضمانت پر رہا بھی ہوگئے، اور اِن کا کیس گوجرانوالہ سے لاہور سیشن کورٹ میں منتقل ہوگیا، ۲۸ نومبر ۱۹۹۴ء سے سیشن کورٹ کے ایڈیشنل جج جناب محمّد مجاہد حسین کے رُو برو یہ کیس چلنا شروع ہوا، تقریباً ڈھائی ماہ یہ کیس چلتا رہا، ۹ فروری ۱۹۹۵ء کو اُنھوں نے اس کیس کا فیصلہ سُنا دیا جس کے تحت دونوں ملزموں سلامت مسیح اور رحمت مسیح کو تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ سی ۲۹۸ کے تحت سزاء موت کے ساتھ ساتھ پچیس پچیس ہزار روپے جرمانہ اور عدمِ ادائیگی کی صورت میں دو سال قید کی سزا ہوئی، ملزموں نے ملکی قانون کے تحت اس فیصلہ کے خلاف ۱۳ فروری ۱۹۹۵ء کو لاہور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی جس پر قائم مقام چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ جسٹس محمد الیاس نے جسٹس عارف اقبال حسین بھٹی اور جسٹس خورشید احمد پر مشتمل ڈویژن بینچ قائم کر دیا جس نے ۱۵ فروری سے ۲۳ فروری تک لگاتار

(ماسوائے جمعہ اور ہفتہ عدالتی تعطیلات) اس مقدمہ کی سماعت کی اور صرف آٹھ دن میں مقدمہ کی سماعت مکمل کر کے ملزمان کو بری کرنے کا فیصلہ دے دیا۔"

اس فیصلہ سے غیر مسلم عناصر نیز امریکہ، برطانیہ اور جرمن خوش ہُوئے اور اُنھوں نے اس کو خوب سراہا جبکہ مسلم عوام میں غم وغُصّہ کی لہر دوڑ گئی اور اس کے خلاف بیانات آنے لگے اور مظاہرے ہونے لگے۔ عدالت کا یہ فیصلہ صحیح ہے یا غلط اور اس کے اثرات ملک پر کیا پڑتے ہیں یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکے گا، جہاں تک ہماری رائے ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس فیصلے میں انتہائی جلد بازی سے کام لیا گیا، اور انصاف کے تقاضے پُورے نہیں کیے گئے جس نہج پر عدالتی کارروائی کی گئی ہے اُس نے اِس فیصلہ میں انصاف کو مشکوک بنا بنادیا ہے، ہم اپنی اس رائے پر درج ذیل شواہد پیش کرتے ہیں۔

(۱) استغاثہ کے وکیل اسمٰعیل قریشی نے مقدمہ کی ابتداء ہی میں فوری اور روزانہ سماعت پر اعتراض کیا اور کہا کہ اس وقت ہزاروں ایسے قیدی جیلوں میں موجود ہیں جن کو سزاء موت ہوتی ہے اور ان کی اپیلیں عدالت کے پاس زیرِ التوا ہیں آخر اس کیس کو غیر معمولی اہمیّت کیوں دی جارہی ہے، کیوں اس مقدمہ کی سماعت روزانہ کی جارہی ہے۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ اس قسم کے نوے کیس زیرِ التوا ہیں معلوم نہیں اس کیس میں ایسی کونسی جلدی تھی کہ اسے آج ہی لگا دیا گیا، عدالت کی طرف سے گو یہ عذر پیش کیا گیا کہ ملزمان کی طرف سے دو اپیلیں دائر کی گئی ہیں، ایک سزا معطل کر کے اپیل کنندگان کو ضمانت پر رہا کرنے کے بارے میں، اور دوسری کیس کی آؤٹ آف ٹرن جلد سماعت کے لیے، یہ دوسری اپیل چیف جسٹس کو پیش کی گئی تو اُنھوں نے اس سے اتفاق کیا۔

سوال یہ ہے کہ انتہائی نازک اور حساس کیس کی جلد سماعت کی اپیل پر تو فوراً عمل کر لیا گیا، لیکن وکیل استغاثہ کیس کی انتہائی اہم نوعیّت کے پیشِ نظر عدالت کو وقت کی کمی کا احساس دلاتے رہے اور مزید وقت مانگتے رہے، اس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی آخر اس فرق کی کیا وجہ ہے؟

(۲) استغاثہ کے وکیل رشید مرتضٰی قریشی نے ڈویژن بنچ کے قیام پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ بنچ ایڈہاک (غیر مستقل، عارضی) ججوں پر مشتمل ہے جس نے کنفرم ہونا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ دونوں ایڈہاک جج مقدمہ کی سماعت کے دوران انڈر پریشر رہیں گے، یہ بات انصاف کے اُصول کے منافی ہے، عدالت کی طرف سے اس اعتراض کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا، نہ ڈویژن بنچ کو وسعت دی گئی نہ کنفرم جج مقرر کیے گئے۔

رشید مرتضٰی قریشی کے اس اعتراض کو ایک تو وزیرِ اعظم بینظیر صاحبہ کے اس بیان سے تقویت پہنچتی ہے جس میں اُنھوں نے کہا ہے کہ "توہینِ رسالت کے عدالتی فیصلے پر حیرت اور دُکھ ہُوا" دوسرے اس سے بھی کہ ایڈہاک جج صاحبان جنہیں کیس کی سماعت کے لیے منتخب کیا گیا وہ ذہنی طور پر وزیرِ اعظم بینظیر صاحبہ سے متفق ہیں۔

(۳) استغاثہ کے وکیل اسمٰعیل قریشی نے کہا کہ اس مقدمہ میں اضافی شہادتیں ریکارڈ پر لائی جائیں جو کہ ہمیں چند روز قبل میّسر آئی ہیں قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے ہم عدالت کے روبرو بطور گواہی و ثبوت وہ سرٹیفکیٹ پیش کرنا چاہتے ہیں جو یہ ثابت کرے گا کہ سلامت مسیح پڑھا لکھا ہے اور اُسکی عمر بھی چودہ سال سے زائد ہے، اس پر عدالت نے بجائے اس کے کہ وکیل سے شہادتیں اور ثبوت طلب کرتی اُنھیں دلائل دینے سے روک دیا۔ گو یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ مقدمہ کی سماعت کے لیے موجودہ گواہیاں کافی تھیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اضافی شہادتوں کے قبول کرنے سے کیا امر مانع تھا؟ جبکہ ممکن تھا کہ اُن سے کیس مضبوط ہوتا اور پیچیدگیاں دُور ہوتیں۔

(۴) مقدمہ کے مدعی مولوی فضل حق پر مقدمہ واپس لینے کے لیے بے انتہا دباؤ ڈالا گیا، اُسے قتل کی دھمکیاں دی گئیں جھوٹے کیس میں پھنسایا گیا اس کے اہلِ خانہ کو ہراساں و پریشان کیا گیا جس کے نتیجہ میں اُس نے کیس کی پیروی سے دستبرداری کا اعلان کر دیا، حالانکہ حکومت کی ذمّہ داری تھی کہ وہ اُسے اُسی طرح تحفّظ فراہم کرتی جس طرح اُس نے ملزمان کو تحفّظ دے رکھا تھا۔

(۵) مولوی فضل حق نے جب دوبارہ پیروی کی درخواست دی جس میں اُس نے پیروی سے دستبرداری کی وجوہات ذکر کی تھیں تو عدالت نے اس کی درخواست کو فوری منظور کرنے کے بجائے انکار کر دیا اور کہا کہ عدالت یہ دیکھے گی کہ "فضل حق پہلے دباؤ میں تھا یا اَب دباؤ میں بیان دے رہا ہے"۔ اس سے یہ تأثر اُبھرتا ہے کہ عدالت نے یہ اس لیے کیا کہ استغاثہ کے وکیل یہ کہہ کر دلائل دینے سے روک دیے جائیں کہ آپ کے وکالت نامے ختم ہو چکے ہیں اور آپ بولنے کے مجاز نہیں ہیں۔

(۶) قانونی طور پر مقدمہ کا مدعی حق رکھتا ہے کہ ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرے جب تک مُدعی کا یہ حق باقی ہے اس وقت تک ملزمان کو ملک سے باہر جانیکی اجازت نہیں ہوتی، لیکن حیرانگی کی بات ہے کہ حکومت نے دونوں ملزموں کی بیرونِ مُلک روانگی کا خود اہتمام

کیا۔ تین دن کے اندر اندر دونوں کے پاسپورٹ بھی بن گئے۔ ویزا بھی لگ گیا اور پاسپورٹ جیل میں ملزموں کے حوالے کرکے اُنھیں خصوصی پروٹوکول کے ساتھ اسلام آباد پہنچایا گیا اور دونوں کو ضروری سامان اور دس دس ہزار ڈالر دے کر جرمن پہنچا دیا گیا۔

اس سے بھی یہ تاثر ملتا ہے کہ حکومت اس کیس کو سبوتاژ کر کے ملزموں کو بچانا چاہتی ہے، اسی لیے پہلے ہائی کورٹ سے جلد از جلد فیصلہ کروایا، پھر سپریم کورٹ کی کارروائی سے پہلے پہلے اُنھیں ملک سے باہر بھیج دیا۔

مقامِ حیرت ہے کہ حکومت نے امریکہ میں بم دھماکہ کے مبینہ ملزم یوسف رمزی کو (جو ایک مسلمان ہے) پکڑ کر موت کی سزا دِلوانے کے لیے امریکہ کے حوالے کر دیا اور توہینِ رسالت کے بدترین مجرموں کی اس قدر پشت پناہی کی کہ اُنھیں سزاء موت سے بری قرار دِلوا کر جلد از جلد بیرونِ ملک بھیج دیا۔ یہ وہ شواہد اور واقعات ہیں جن کی بناء پر ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ اس کیس کی سماعت میں انصاف کے تقاضے پورے نہیں کیے گئے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس کیس میں امریکہ برطانیہ اور جرمنی کا خصوصی دلچسپی لینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ حکومت اِن کے دباؤ پر اُن کی مرضی کا فیصلہ کرانے پر مجبور تھی کیونکہ اپنے اقتدار کے تحفظ اور بقاء کے لیے بڑی سرکار کو خوش رکھنا ہمارے ملک کے ہر حکمران کی مجبوری ہے۔

ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ اقلیتوں کے لیے یقیناً حوصلہ افزا اور خوش کُن ہے وہ اس سے ضرور فائدہ اُٹھائیں گے اور بہت ممکن ہے کہ اس قسم کے واقعات رُکنے کے بجائے مزید رونما ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عوام عدالتی کارروائی پر عدمِ اعتماد کی بناء پر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیں گے اور یہ سوچنے کے بجائے کہ ایسے بدکردار و ناہنجار کا مقدمہ ملکی عدالت میں لے جائیں خود اپنی عدالت سے اُسے سزاء موت دے دیں گے۔ ایسی صورت میں خانہ جنگی اور انتشار کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ ہمارے اربابِ اقتدار کو چاہیے کہ وہ بڑی سرکار کو خوش کرنے کے بجائے خُداوند تعالیٰ کو خوش کرنے کی کوشش کریں اور شرعی قوانین کو نافذ کرکے اُن کی بالادستی کو یقینی بنائیں تاکہ انصاف کی راہ ہموار ہو اور ہر کسی کو فوری انصاف مل سکے ایسی صورت میں انشاء اللہ جرائم کا خاتمہ ہوجائے گا۔

○

صاحبزادۂ محترم سیّد مقصود میاں کی وفات

حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے سب سے چھوٹے جواں سال صاحبزادے سیّد مقصود میاں (عرف ٹیپو) جو زندگی کی اُنیسویں بہار گزار رہے تھے۔ ٢٨ رمضان المبارک ١٤١٥ھ بکم مارچ ١٩٩٥ء بروز بدھ قضاءِ الٰہی سے انتقال فرما گئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم والدین کے چہیتے، ہونہار اور ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے، قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد جامعہ ہی میں درجہ ثانیہ خاصّہ میں زیرِ تعلیم تھے، والدہ کے اصرار پر پہلی مرتبہ رمضان المبارک میں جامعہ کی مسجد میں تراویح کے اندر قرآن پاک سُنا رہے تھے، خُدا نے لحنِ داؤدی سے نوازا تھا، اُن کے پیچھے تراویح پڑھنے والا ہر شخص اُن کی تلاوت کی لذّت سے سرشار تھا، بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ جی چاہتا ہے کہ مقصود میاں پڑھتے رہیں اور ہم سُنتے رہیں، قرآن مجید کا اکثر حصّہ ختم ہو چکا تھا۔ مرحوم کی والدہ پہلی مرتبہ ختمِ قرآن کی خوشی میں ایک پُر وقار تقریب کے انعقاد کا پروگرام بنا رہی تھیں کہ اچانک وہ حادثہ پیش آگیا جس کے تصوّر سے بھی کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ ہُوا یہ کہ مقصود میاں رمضان کی تیئسویں شب تراویح پڑھا رہے تھے، پانچویں رکعت میں سورۂ رحمٰن کی آیاتِ کریمہ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" ان سب باغوں میں اچھی عورتیں ہیں خوب صُورت، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے ربّ کی جھٹلاؤ گے" زیرِ تلاوت تھیں اچانک ایسا ہُوا کہ آپ کھڑے کھڑے زمین پر آرہے — ایسے لگا جیسے کسی نے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا ہو آپ فوراً ہی بیہوش ہو گئے، مقتدیوں میں ڈاکٹر بھی تھے اُن کے مشورے سے ہسپتال لے جایا گیا، طبّی امداد بہم پہنچائی گئی، لیکن آپ ہوش میں نہ آئے، سینئر ڈاکٹروں نے بتلایا کہ آپ کو برین ہیمرج ہُوا ہے۔ تقریباً چھ دن آپ ہسپتال میں اسی حالت میں رہے۔

ان دنوں کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو پُرنم نہ ہو کوئی دل ایسا نہ تھا جو بیقرار نہ ہو کوئی لب ایسے نہ تھے جو آپ کی صحت یابی کی دُعا کیلئے بارگاہِ خداوندی میں متحرک نہ ہوں لیکن ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی آخر قضا و قدر کا فیصلہ غالب آیا بروز بدھ ٢٨ رمضان المبارک صبح سوا سات بجے آپ نے جان جان آفریں کے سُپرد کر دی۔ اِنَّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

وفات کے بعد آپ کے چہرہ پر بشاشت، اطمینان و سکون کی عجیب کیفیت طاری تھی یوں

لگتا تھا جیسے راہِ وفا کا مسافر تھک کر سو گیا ہو، ڈاکٹر حضرات اس امر پر حیرانگی کا اظہار کر رہے تھے کہ ایسے مریض کے جسم سے اتنی بدبُو پھوٹتی ہے کہ پاس کھڑا ہونا مشکل ہوتا ہے لیکن ٹیپو میاں کے جسم سے اوّل سے آخر تک کسی قسم کی بدبُو محسوس نہیں کی گئی بلکہ بعض احباب نے واپسی پر ایمبولینس میں عجیب قسم کی مہک محسوس کی،

دوپہر تین بجے آپ کا جنازہ اُٹھا اور ہزاروں سوگواروں کے دوش اس شان سے چلا گویا ٹیپو میاں زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں۔

فقیرانہ آئے صدا کر چلے   میاں خوش رہو ہم دُعا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی   مقدور بھر تو دَوا کر چلے

نمازِ عصر کے بعد عیدگاہ بہاول پور روڈ میں آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی جو مدیر محترم مولانا سید محمود میاں صاحب نے پڑھائی، عجیب اتفاق کہ اس موقعہ پر شیخ انوار احمد صاحب مرحوم کا جنازہ بھی آیا ہوا تھا۔ موصوف کو گزشتہ شام دہشت گردوں نے گولیاں مار کر شہید کر دیا تھا۔ دونوں کی نمازِ جنازہ اکٹھی ہوئی۔ بعد ازاں ٹیپو میاں کو آپ کے والد حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے پہلو میں سُپردِ خاک کر دیا گیا اور شیخ انوار احمد صاحب کو قریب ہی اُن کے شیخ قاری عبد الرشید صاحب مرحوم کے پہلو میں دفنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ٹیپو میاں کی والدہ اور دیگر اقرباء کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

نعیم الدّین

(قسط ۲۳؍آخری)

درسِ قرآن حکیم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

قیامت کی تاریخ کا علم نہ ہونا ہی مصلحت ہے

اور اس کی ضرورت بھی نہیں اس واسطے کہ اگر قیامت کا علم دے دیا جاتا کہ دس ہزار برس کے بعد آئیگی تو جتنی نسلیں اس سے پہلے ہونیں وہ تو مطمئن ہو کر بیٹھ جاتیں کہ بھئی ہمارے اُوپر تو آئے گی نہیں قیامت جن پر آئے گی وہ بھگت لیں گے لہٰذا ہم تو آزاد ہیں جو چاہے کریں، حرام ہو، حلال ہو، جائز ہو، ناجائز ہو، پھر اس درجہ ڈھٹائی میں مبتلا ہوں گے کہ پھر کسی کو ہوش نہیں ہو گا عمل صالح انجام دینے کا، سوائے اس کے کہ کچھ فکر اس نسل کو ہو شاید جس کے اُوپر قیامت آتی، تو ایک تو اس میں یہ مضرت تھی کہ قیامت کی تاریخ بتلا دینے میں جو تاریخ سے بعید لوگ تھے وہ بے فکر ہو کر دُنیا کی زندگی کو تباہ کر لیتے اور عملِ صالح کی اُنہیں توفیق نہ ہوتی، لیکن جبکہ اُن کو اتنا علم ہے کہ آنے کی تاریخ کا علم نہیں تو ہر وقت ایک خطرہ لگا ہوا ہے کہ معلوم نہیں کہ کب قائم ہو جائے قیامت، اور جب قیامت آنے والی ہے تو بھئی اپنی زندگی کو درست کر لو اس کی فکر کرو۔ اس کے لیے کچھ سامان کرو، تو علم نہ دینے ہی کے اندر مصلحت ہے کہ انسان آمادہ رہے نیکی کرنے میں علم ہو جانے کے بعد یا نیکی چھوڑ دیتا یا اتنا خائف ہو گا کہ نیکی سے معطّل ہو جائے گا جیسے ہر انسان کی قیامت

انسان کو اس کے مرنے کی تاریخ کا علم نہ دینے میں بھی بڑی مصلحت ہے

حق تعالیٰ کی بڑی حکمت اور مصلحت ہے کہ کسی کو اس کی موت کا علم نہیں دیا۔ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ،

کسی نفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ میں کب مروں گا اور کہاں انتقال کروں گا۔ اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ اگر ہر انسان کو مطلع کر دیا جاتا کہ تیری عمر ساٹھ برس کی ہے تو اوّل تو اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی، ہر روز گنتا کہ آج ایک دن کم ہو گیا آج دو دن کم ہو گئے۔ پھر نہ نیکی کرتا نہ بدی کرتا وہ تو ہر وقت لرزتا رہتا کانپتا رہتا اور زندگی اُس کی اجیرن ہو جاتی۔ نہ کھانے میں لُطف، نہ پینے میں لُطف، تو جب سارے ہی انسان ایسے ہی ہو جاتے نظام عالَم تباہ ہو جاتا، نہ ترقّی کی سُوجھتی نہ تمدّن کی سُوجھتی نہ دُنیا کو آباد کرنے کی سُوجھتی، بس ہر شخص بیٹھا ہُوا کانپتا رہتا لرزتا رہتا کسی کے پاس جاتے کہ بھئی کیوں کانپ رہے ہو؟ کہ جی میری عمر کے ایک سو انچاس دن رہ گئے ہیں دوسرا کہتا کہ میاں میرے تو چالیس ہی رہ گئے تیسرا کہتا میرے تیس ہی رہ گئے تو ایک دوسرے سے دُکھڑا رو کر رونے میں گذارتے نہ عمل ہوتا نہ دُنیا آباد ہوتی اور منشاء خداوندی ہے کہ دُنیا کا نظام بھی چلے اور دُنیا سے تمدّن بھی چلے۔ اس تمدن میں رہ کر ہی تم دین بنا سکتے ہو اس لیے دُنیا کی آبادی ضروری ہے اور وہ ہو نہیں سکتی تھی جب تک کہ موت کے وقت سے تمہیں غافل نہ بنایا جائے یہ علم تو رہے کہ آنے والی ہے یہ نہ ہو کہ کب آنے والی ہے تم سے وقت کا اور تاریخ کا چھپانا ہی مصلحت ہے اسی طرح سے قیامت کلی کے وقت کو چُھپانا مصلحت تھا اتنا علم دے دیا جانا ضروری تھا کہ آئے گی قیامت اور یہ جہان ایک دن ختم ہو جائے گا تو جتنا علم دیا وہ بھی معقول اور جتنا نہیں دیا وہ بھی معقول اور ظاہر بات ہے کہ معقول کا انکار وہ اپنی عقل کا بھی انکار ہے وہ اپنے کو بھی جُھٹلانا ہے وہ حق تعالیٰ کی تکذیب نہیں بلکہ اپنی تکذیب ہے وہ تو بُری ہے تکذیب سے اُن کا ہر دعوٰی سچّا ہے تو اپنے کو جُھٹلا رہا ہے آدمی جبکہ ایک معقول چیز کو جُھٹلا رہا ہے، اس واسطے فرمایا گیا قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ بھئی علم، کب آئے گی؟ یہ اللہ کے پاس ہے جب پیغمبروں کو بھی خبر نہیں دی گئی اس کی تو میری اور آپ کی کیا حقیقت کہ ہمیں اس کا علم دیا جائے آگے فرمایا وَ اِنَّمَا اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ علم اللہ کے پاس ہے میں تو ڈرانے والا ہُوں اتنا علم مجھے دیا گیا ہے کہ آئے گی قیامت تو اُسے پیش کر کے میں تمہیں ڈرا رہا ہُوں کہ جب آنے والی ہے تو کچھ سامان کر لو اس کے لیے۔

جہاں جتنا رہنا ہے اتنا ہی سامان اس کے لیے کرنا چاہیے

جیسے کہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "اِعْمَلْ لِلدُّنْیَا بِمِقْدَارِ بَقَائِكَ فِيْهِ وَاعْمَلْ لِلْآخِرَةِ بِمِقْدَارِ بَقَائِكَ فِيْهِ" دُنیا کے لیے اتنا سامان کرو جتنا تمہیں دُنیا میں رہنا ہے۔ آخرت کے لیے اتنا سامان کرو جتنا تمہیں آخرت میں رہنا ہے، دُنیا میں رہنا ہے۔ چند دن تو یہاں تھوڑا بھی کافی ہے آخرت میں رہنا ہے۔ ابدالآباد تک تو وہاں کے لیے لمبا سامان کرنا چاہیے انسانوں نے اُلٹا کر دیا کہ جہاں اَبد تک رہنا ہے وہاں کا تو کوئی سامان نہیں کر رہے اور جہاں چند دن رہنا ہے وہاں کے سارے سامان کر رہے ہیں تو یہ عقل کی گمراہی ہے عقل کا کھوٹ ہے، ہونا چاہیے تھا برابر، تو آپ نے فرمادیا کہ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ علم تو اللہ کے پاس ہے کہ تاریخ کونسی ہے قیامت کی، مَیں تو ایک کھلا ہُوا ڈرانے والا ہوں اس لیے کہ مجھے آنے کا علم دیا گیا ہے وہ علم میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہُوں اور وہی علم مصلحت بھی ہے تاریخ اور وقت کا علم مصلحت نہیں ہے تمہارے لیے، اور اس کے بعد فرمایا کہ تم جو مانگ رہے ہو کہ جلدی آجائے قیامت فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تم کیا سمجھے ہُوئے ہو قیامت کو جب آئے گی قریب تو حُلیے بگڑ جائیں گے تمہارے، مُنہ سیاہ ہو جائیں گے تمہارے، کفّار کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ بڑی آسانی سے تم مانگ رہے ہو آجاتے قیامت جب وہ آئے گی تو کیا حال ہوگا تمہارا، یہ تھوڑا ہی ہوگا جیسے آج مگن بیٹھے ہُوئے کہہ رہے ہو کہ صاحب لے آؤ قیامت کو جب آئے گی تو چہرے بگڑ جائیں گے، حُلیے بگڑ جائیں گے تمہارے اور وہ آئے گی' یہ نہیں ہے کہ کوئی بڑے مقدمات اس کے چلیں گے کہ چھ مہینے پہلے کچھ اطّلاعات دی جائیں اور چھ مہینے پہلے کوئی گڑگڑاہٹ ہو۔

قیامت پل بھر میں قائم ہو جائے گی

وہ تو پل بھر میں قائم ہو جائے گی۔ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ قیامت کا آنا لمحِ بصر جیسے نگاہ جھپکتی ہے اتنے میں آجائے گی، کوئی پتہ پہلے سے نہیں ہوگا۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ دو آدمی کپڑا سکھا رہے ہوں گے رنگریز، ایک پلہ ایک کے ہاتھ میں ہوگا ایک پلہ دوسرے کے ہاتھ میں وہ اُسے سکھا رہے ہوں گے کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے گی، حدیث

میں ہے کہ ایک عورت آٹا گوندھ رہی ہو گی گھر میں بیٹھی ہوئی اس کا ہاتھ آٹے میں ہوگا کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے گی، پل بھر میں قائم ہو گی۔

صور کی کیفیت صور جب پھونکا جائے گا جو عالم کی تباہی کا سبب ہو گا۔ ابتداءً بہت ہلکی آواز ہو گی کسی کو وہم بھی نہیں گزرے گا کہیں گے کوئی چیز ہے کوئی باجا ہے کوئی چیز ہے بج رہی ہے رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہو گی جب آواز ذرا بڑھے گی تو اب لوگ چونکیں گے کہ یہ کیا چیز ہے رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی ہے تو اِدھر اُدھر دیکھیں گے۔ پھر کچھ کام میں لگ جائیں گے اس کے بعد اس میں درد کی سی آواز پیدا ہو گی تو اب حیران ہوں گے پریشان ہوں گے، درد بیک دم ہوتا ہے یہ تو تدریجی طور پہ بڑھتا جا رہا ہے جب زیادہ درد ہو گی تو اب اضطراب اور بے چینی پیدا ہو گی، جنگلوں سے گھروں میں آئیں گے گھروں سے جنگلوں میں جائیں گے جانور انسانوں میں، انسان جانوروں میں کوئی کسی کو اپنی حالت کی خبر نہیں ہو گی اور اس کے بعد جب وہ انتہائی بڑھے گی حدیث میں ہے کہ جیسے سو گرجوں کے برابر ایک گرج ہوتی ہے مسلسل تو پھر کلیجے پھٹنے شروع ہوں گے۔ گرنے شروع ہوں گے اور یہاں تک تو جانیں جائیں گی جب زیادہ بڑھے گی آواز تو پہاڑ پھٹنے شروع ہوں گے۔ سب چیزیں ریزہ ہو کر گڈمڈ ہو جائیں گی، دُنیا میں بھی جب کوئی بم پھٹتا ہے تو دیواریں ہلتی معلوم ہوتی ہیں اور کھڑکیوں کے کواڑ ٹوٹ جاتے ہیں انسان بعضے بے ہوش ہو جاتے ہیں تو اس کی بناء یہ ہے کہ اصل میں رُوح جو ہے یہ اللہ نے پیدا کی ہے۔ قوّتِ ہوائی اور آواز جو ہے یہ بھی ہوائی، یہ سانس زیادہ نکلتا ہے وہی آواز کہلاتی ہے تو سانس کے پھونکنے کا نام آواز ہے ظاہر بات ہے کہ جب آواز اور ہوا زیادہ گرجتی ہو گی تو وہ جذب کرے گی۔ چھوٹی ہوا کو تو یہ ارواح چونکہ ہوا سے پیدا کی گئی ہیں جب اصل مادّہ زوروں پر آئے گا اور وہ ہے آواز اور وہ ہوا ہے تو روحوں کو جذب کرنا شروع کرے گا۔ روحیں ہلنی شروع ہوں گی تو غرض قیامت ہو گی صُور پھونکنے سے۔

صُور بتدریج پھونکا جائے گا اور صور بتدریج پھُونکے گا تو جب وہ پھونکا جانا شروع ہو گا، اور آواز آئے گی تو یہ نہیں کہ پہلے سے کچھ اطّلاعات ہوں گی یا پہلے خطرات ہوں گے۔ وہ تو پل بھر میں قائم ہو جائے گی وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ

اَوْھُوَ اَقْرَبُ جتنی دیر میں نگاہ جھپکاتے ہو بلکہ اس سے بھی کم میں ایک دم اچانک آجائے گی،
جیسے موت انسان کی اچانک ہی آتی ہے یہ تھوڑا ہی ہے کہ پہلے سے اطلاعات دی جائیں . بیمار
بھی اگر آدمی ہوتا ہے تو یہ اس کو اندازہ نہیں ہوتا کہ اگلے منٹ میں آجائے گی موت، چل رہا ہے بیماری
جب آتی ہے تو ایک دم نزع شروع ہوگیا۔ لوگ بھی سمجھ گئے کہ بھئی مرنے کا وقت آگیا تو شخصی قیامت
بھی اچانک آتی ہے ۔کلی قیامت بھی اچانک آئے گی ۔اس کا علم دے دیا گیا تو فرمایا اِنَّمَا الْعِلْمُ
عِنْدَ اللّٰہِ اس کی دن تاریخ کا علم تو اللہ کو ہے ہمیں نہیں ہے ہمیں تو اتنا علم ہے کہ آئے گی اور وہ
ہی کافی ہے ہمارے عمل کے لیے وَاِنَّمَا اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ اور تم جو سہولت سے کہہ رہے ہو کہ
لے آؤ اس قیامت کو تو فَلَمَّا رَاَوْہُ زُلْفَۃً سِیْئَتْ وُجُوْہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جب وہ
آجائے گی اچانک تو تمہارے حلیے بگڑ جائیں گے ۔چہرے بگڑ جائیں گے تم اس حالت میں نہیں
ہوگے جس حالت میں آج ہو کہ سہولت سے مانگ رہے ہو قیامت کو تم سمجھ نہیں رہے کہ ہے کیا
قیامت ؟ اس واسطے بڑے اطمینان سے مانگ رہے ہو۔ جیسے آدمی گھبرا کر بعض اوقات کسی مصیبت
سے تنگ آکر موت کی دعا کرنے لگتا ہے تو یہی جواب اس کا ہوتا ہے کہ بیوقوف پتہ نہیں ہے کہ
موت کیا چیز ہے وہ یوں سمجھ رہا ہے کہ یہ مصیبت تو ہے بہت بڑی اور موت بڑی معمولی چیز ہے
موت آجائے گی تو مصیبت ٹل جائے گی۔

موت سب مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے

موت تو سب مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے سب سے بڑھکر مصیبت ، یہ تیری حماقت اور غلطی ہے کہ اس مصیبت
سے تنگ آکر موت مانگ رہا ہے وہ کسی شاعر نے کہا ہے ناں کہ ؎

اَب تو گھبرا کہ یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے اور مرکہ بھی چین نہ آیا تو کدھر جائیں گے

یہ سمجھنا کہ موت ہلکی چیز ہے اور دُنیا کی مصیبتیں بڑی ہیں یہ غلط ہے

تو یہ سمجھ لینا کہ موت ہلکی چیز ہے یہ دُنیا کی مصیبتیں بڑی ہیں یہ غلط (ہے) یہ ساری مصیبتیں
اوّلین آخرین کی جمع کردی جائیں تب ایک موت بنتی ہے تو موت سرچشمہ ہے سارے مصائب کا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا موت کی کیفیت کے بارے میں سوال

حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام
نے ملک الموت سے پوچھا حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے سوال کیا ملک الموت سے کہ موت کی کیا کیفیت ہے، اُنھوں نے عرض کیا کہ میں کیفیت کیا بتلاؤں جو جس پہ گزرے گی وہ جانے گا مگر میں ایک مثال کے ذریعے کچھ فہم کے قریب کر دوں گا، اصلیت نہیں سمجھا سکتا وہ تو گزرنے کی چیز ہے، تو اُنھوں نے فرمایا کہ یہ سمجھو انسان کے بدن میں تار ڈالا جائے ایڑی سے لے کر چوٹی تک اور جتنی رگیں ہڈیاں ہیں اتنی شاخیں ہوں اس تار میں اور ہر ہر شاخ ایک ایک رگ میں پیوست کی جائے اور ان شاخوں میں کانٹے بھی ہوں لوہے کے وہ کانٹوں دار تار ہر ہر رگ کے اندر پیوست (ہو) تو اب گویا ایک تار انسان کے اندر گیا ہُوا ہے اور اتنی شاخیں ہیں جتنی رگیں ہیں پٹھے ہیں اور ہر تار میں ہر شاخ میں کانٹے ہیں اور وہ پھٹ گیا اس کے بعد اس کو کھینچنا شروع کرو تو یُوں معلوم ہوگا کہ رگ رگ درد سے بھرپُور ہے۔ بھری ہُوئی ہے اور گویا ساری رگیں کھنچ آئیں گی اُوپر، فرمایا کہ یہ ادنیٰ سی مثال ہے موت کی اور جان کندنی کی کہ جیسے رگ رگ کے اندر کانٹوں دار تار ڈال کر اُسے کھِنچا جائے اُوپر تو جو اذیت اس وقت محسوس کر سکتا ہے آدمی وہ ادنیٰ سی مثال ہے موت کی اذیت کی، تو موت کوئی آسان چیز تھوڑا ہی ہے کہ ذرا سی مصیبت میں گھبرا کر آدمی موت مانگنے لگے موت کوئی آسان بات نہیں ہے عظیم چیز ہے۔

مومن و کافر کی رُوح قبض کرتے وقت ملک الموت کی صُورت

حدیث میں فرمایا گیا کہ ابراہیم علیہ السّلام نے پُوچھا ملک الموت سے کہ تم کس شکل میں آکر رُوح قبض کرتے ہو، فرمایا کہ مومن کے آگے تو نہایت اعلیٰ اور باجمال صُورت ہے۔ اس میں مَیں آتا ہُوں اس سے بڑھ کر جمال نہیں ہوسکتا اور کُفّار کے آگے انتہائی بھیانک شکل میں آتا ہُوں کہ جس سے بڑھ کر ڈراؤنی صُورت نہیں ہو سکتی، کہا مجھے دکھلا دو وہ صُورت، کہا آپ تحمّل نہیں کر سکیں گے مگر اصرار کیا تو حدیث میں ہے کہ اس شکل میں آئے جس سے مومن کی رُوح قبض کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السّلام نے کہا کہ اگر اللہ کوئی بھی نعمت نہ دے مومن کو صرف یہ شکل دکھلا دے تمہاری تو سَب نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہے اس کو دیکھ کر قلب میں فرحت اور سرور بھر جاتا ہے، اس کے بعد کہا کہ اب وہ شکل بھی دکھلاؤ کہا آپ تحمّل نہیں کریں گے کہا نہیں دکھلاؤ اس شکل میں آئے تو دیکھتے ہی بے ہوش ہوگئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام، برداشت نہیں کر سکے۔ اس کے بعد ہوش آیا تو کہا کہ اگر کوئی بھی مصیبت نہ آئے کافر پر، فقط یہ شکل دکھلا دی جائے تو ہزار مصیبتوں کی یہ ایک مصیبت ہے

اس کی کچھ شکل حدیث میں فرمائی گئی ہے کہ ملک الموت جس شکل میں آتے ہیں کفّار کے آگے وہ ایک عجیب بھیانک شکل ہے ایک شخص کی، سیاہ فام اور ہر بدن پر جو رُوان ہے وہ مثل نیزوں کے ہے اور ہر نیزے میں ایک شکل بنی ہوئی ہے انسان کی شکل یا جانور کی، تو اس طرح سے گویا لاکھوں شکلیں صُورتیں ایک شخصیّت میں نمایاں ہوتی ہیں۔ جتنی گویا ڈراؤنی شکلیں ہیں ہیبت ناک وہ سب سامنے ہوتی ہیں تو وہ دیکھ کر خود ہی خون خشک ہوجاتا ہے وہ مستقل مصیبت ہے تو بہرحال موت کوئی سہل چیز نہیں اِلّا یہ کہ حق تعالیٰ ہی سہل فرمادیں کسی کے لیے اُسے سب کچھ قدرت ہے ساری شدّت بھی گزرے اور محسوس بھی نہ ہونے دے۔

موت کے آسان ہونے کی صُورت جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی صُورت فرمائی، فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ "مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَائَہٗ" جو شخص اس کا خواہش مند ہے کہ مَیں کب ملوں اپنے اللہ سے ہر وقت منتظر ہے شوق لگ رہا ہے عالَمِ آخرت میں جانے کا اور ے

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم　　تا درِ میکدہ شاداں وغزل خواں بروم

اُن کی کیفیّت یہ ہے کہ وہ کہتے کہ وہ کون سا مُبارک دن ہوگا کہ ہم غزل خواں، شاداں و فرحاں اپنے پروردگار سے ملیں گے اور اُس اُجڑے ہُوئے عالَم کو چھوڑیں گے تو جن لوگوں کے دِلوں میں شوق ہے اللہ سے ملنے کا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے یہاں بھی شوق ہے وہ بھی منتظر ہیں کہ یہ بندہ کب ملے مجھ سے آکے تو اِدھر سے بھی شوق اُدھر سے بھی شوق، مرنے کا جب وقت آتا ہے اس مومن پر وہ شوق وغلبہ کے ساتھ قلب پر ہجوم کرتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح جلدی پہنچوں لگا ہُوا ہے اس شوق میں، اس شوق کے اندر اتنا منہمک ہوتا ہے کہ ساری تکلیفیں بھی گزر رہی ہیں اور کچھ بھی نہیں گزر رہیں اسے پتہ بھی نہیں چلتا سب کچھ گزر رہا ہے مگر وہ اتنا شوق میں غرق ہے کہ اُسے محسوس ہی نہیں ہوتا کہ کیا تکلیف گزر رہی ہے اور کچھ محسوس بھی ہوتا ہے تو نعمتیں سامنے اتنی ہیں کہ وہ کہتا ہے اس سے دوگنی بھی مصیبت گزر جاتے یہ سامنے نعمتیں موجود ہیں، اب میرے پاس آنے والی ہیں پَل بھر کی بات ہے۔

مصیبت کے سہل اور آسان ہونے کی مثال

مثلاً آپ کو ایک گورنمنٹ یہ کہے کہ یہاں سے پانچ میل پر جو اسٹیشن ہے وہاں ایک پانچ لاکھ کا بنگلہ آپ کے لیے تیار کیا ہے۔ گورنمنٹ نے اور اس میں خزانہ بھی ہے۔ دس لاکھ روپے کا، ابھی پہلی گاڑی سے جاؤ اور اس پر جا کر قبضہ کر لو آپ خوشی خوشی چلے ریل میں گئے تو وہاں بیٹھنا تو بجائے خود کھڑے ہونے کی جگہ نہیں تھرڈ کلاس میں جا کر کھڑے ہوئے اور اتنا ہجوم کہ ہڈی اور پسلی چور ہو جائے تو انتہائی تکلیف میں ہے مگر شوق لگا ہوا ہے کہ پانچ منٹ کی بات ہے اب گئے اور دس لاکھ کے بنگلے پر قبضہ ہو گیا تو ذرہ برابر آپ کو تکلیف کا احساس نہیں ہو گا کہیں گے چاہے اس سے دوگنی آجائے بس پانچ ہی منٹ کی تو بات ہے اب گئے اور جائیداد ملی لاکھوں کی، تو جیسا کہ ایک دنیا کی ایک معمولی جائیداد کے شوق میں بڑی سے بڑی تکلیف آپ بھگت جاتے ہیں اور احساس نہیں ہوتا تو اَبَدُ الآباد کی نعمت اور وہ نعمتیں جن کا یہاں کبھی تصوّر بھی نہیں ہو سکتا وہ سامنے کی جائیں تو لاکھوں من بھی اگر تکلیف کا بوجھ پڑا ہوا ہو گا۔ بھاویں بھی نہیں ہو گا کہ منٹ بھر کی بات ہے اب یہ نعمتیں مل رہی ہیں۔

مومن کی رُوح قبض کرنے کے وقت فرشتے جنّت کے تحائف لیکر آتے ہیں

اسی واسطے فرمایا گیا ہے کہ مومن کی قبضِ رُوح کے وقت ملائکہ علیہم السّلام کچھ تحائف لے کر آتے ہیں جنّت کے، وہاں کے پھل اور وہاں کے کپڑے اور وہاں کے کفن اور خوشبوئیں، ایک دم رُوح اس طرح سے جاتی ہے کہ بس وہ یوں کہتی ہے کہ مَیں پہنچ جاؤں پل بھر میں چاہے ہزار کانٹوں میں سے گزرنا پڑے تو خود قبول کرتی ہے اس تکلیف کو کہ جتنی بھی تکلیف آتے مجھے بھگتنی ہے اس لیے کہ سامنے وہ نعمت موجود ہے تو اس وقت مشاہدہ ہوتا ہے نعمت کا، انبیاء علیہم السّلام اور کُمّلِ اولیاء اللہ اُن کو آنکھ سے دیکھنے سے زیادہ یقین ہوتا ہے اللہ کے وعدوں پہ، ہر وقت اُن کے سامنے وہ نعمتیں ہیں اس واسطے کوئی تکلیف اُن کے یہاں تکلیف نہیں ہوتی، ہزاروں ابتلاءات ہزاروں مصیبتیں انبیاء پر گزرتی ہیں اور اُن کے قلوبِ مبارکہ پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اللہ کے وعدے حق سامنے ہیں اس لیے کہ یہ چند دن کی تکلیف ہے اب وہ نعمتیں آرہی ہیں

انبیاء کرام اپنی رُوحانی قوّت سے وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جو ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔

تو انبیاء اپنی ایمانی قوّت سے وہ کچھ دیکھتے ہیں جو ہم اپنی آنکھوں سے بھی نہیں دیکھتے اور ہم آنکھ سے دیکھ کر جتنا یقین کرتے ہیں اس سے زیادہ قوی یقین انبیاء کا اللہ کے وعدوں پر ہوتا ہے اس لیے وہ ساری تکالیف جھیل جاتے ہیں، ورنہ انبیاء سے زیادہ کون ہے تکلیفیں اُٹھانے والا، لیکن اُن کے قلوب پر ذرہ برابر اثر نہیں، قلب مگن اور مطمئن، اس لیے کہ وعدہ ہائے خداوندی اندر موجود ہیں تو بہرحال مومن باوجودیکہ موت اتنی شدید ہے باوجودیکہ اتنی ایذاء دہ ہے لیکن مومن اس سے گھبرائے گا نہیں خوش دلی سے برداشت کرے گا، اگر خدانخواستہ کوئی وعدہ سامنے نہ ہوتا تو مرنا بھی موت ہوجاتا، لیکن چونکہ نعمتیں موجود ہیں اَب تو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اس واسطے وہ کہتا ہے کہ کوئی پرواہ نہیں چلو، چاہے مصیبتوں میں کانٹوں میں جائیں مگر وہ نعمت ہے ابھی مَیں پہنچ جاؤں گا دو منٹ بعد، اس لیے ہوتی بھی ہے تکلیف اور نہیں بھی ہوتی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی شدید قسم کا آپریشن کیا جائے کسی کا تو پہلے کلوروفارم سونگھا کر بے ہوش کر لیتے ہیں اس کے بعد اس کا سَر کاٹ دو پیر کاٹ دو، اُسے کچھ خبر نہیں، تو گزر رہی ہے ساری تکلیف مگر احساس باطل ہوگیا کہ جس سے اس کی اذیّت محسوس نہیں ہوتی، اسی طرح سے موت کی اذیّت جب گزرے گی تو محبّتِ خداوندی کا کلوروفارم سونگھا دی گئی اس میں وہ اتنا مؤثر مگن ہوگا کہ اس تکلیف کا ادنیٰ برابر اسے احساس بھی نہیں ہوگا اور محسوس بھی ہو تو بھاویں بھی نہیں ہوں گی تو نعمتوں کے آگے کیا چیز ہے تکلیف تو پھر انشاء اللہ مومن کے لیے راحت ہے باوجود اذیّت کے۔

موسٰی علیہ السّلام سے موت کی کیفیّت کے بارے میں سوال

موسٰی علیہ السّلام سے پُوچھا گیا کہ موت کی کیا کیفیّت ہے؟ فرمایا کہ یہ کیفیّت ہے کہ آدمی کو بیچ میں رکھ کر دو پہاڑوں کو ملا دیجیے۔ اس میں جو اذیّت ہے بس وہ موت میں ہے یہ ہے، اور بعض انبیاء نے مثال دی کہ جیسے ایک نہایت ہی جابر قسم کا قصائی ہو ذبح کرنے والا اور بڑا قوی اور ایک بکری کا بچّہ اس کے ہاتھ میں ہو اور وہ کانٹ چھانٹ کرا سکے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے بس یہ حالت ہے موت کی مَلک الموت کے سامنے اس طرح سے ہوگا آدمی اس وقت، تو باوجود

اس اذیت کے وہ جو قوّتِ ایمانی ہے وہی سنبھالتی ہے دُنیا میں بھی جو بڑی سے بڑی مصیبت آتی ہے تو قوّتِ ایمانی تو سنبھالتی ہے۔ بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے تو تکلیف معلوم بھی نہیں ہوتی وہی قوّتِ ایمانی وہاں سنبھالے گی اور وہی قوّتِ ایمانی قبر میں سنبھالے گی اور وہی قوّت ایمانی حشر کے اندر سنبھالے گی ہر جگہ تکلیف آدمی جھیل جائے گا۔

حضرت عمرؓ کا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سوال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف رکھتے تھے مجلس نبوی میں اور آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) قبر کے ہولناک حالات بیان فرما رہے تھے، تو لوگ لرز رہے تھے کانپ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ تمام لوگ لرزاں اور ترساں اور آپے سے باہر ہو گئے ہیں۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہماری عقل بھی صحیح سالم ہو گی قبر میں فرمایا ہاں عقل رہے گی، کہا تو اب کوئی فکر کی بات نہیں بس نمٹ لیں گے تو عقل سے مراد یہ عقلِ معاش نہیں تھی جو موٹر بنانے کی عقل ہے ہوائی جہاز بنانے کی عقل ہے عقلِ معاد تھی جو آخرت کی عقل ہے جس کا دوسرا نام ایمان ہے مطلب یہ ہے کہ ہمارا ایمان بھی رہے گا فرمایا رہے گا تو بس اب جھیل جائیں گے۔

قُوّتِ ایمانی سَب چیزوں کو ہلکا کر دیتی ہے

قُوّتِ ایمانی سَب چیزوں کو ہلکا کر دیتی ہے تو اصل چیز ایمان ہے دُنیا کی مصیبتوں میں بھی جب آدمی اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے توکل اور صبر سے تو مصیبتیں ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔ یہ اللہ جانے جو کچھ ہوگا، ہو رہے گا، مجھے تو خُدا پر بھروسہ ہے تو دُنیا کی مصیبتیں بھی اللہ ہی کا یقین اور ایمان سہل کرتا ہے۔ موت کی مصیبت یہی ایمان سہل کرے گا۔ قبر کے مصائب یہی ایمان سہل کرے گا حشر کے مصائب یہی ایمان سہل کرے گا اور اُن سب سے گزر کے اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جائے گا۔ وہی جو راحتوں کا ٹھکانہ ہے جس کا نام جنّت ہے تو کافر کے لیے یہاں سے لے کر وہاں تک اور ابد تک مصیبت ہی مصیبت ہے اس لیے کہ وہ جو مصائب میں ڈھارس دینے والی چیز ہے وہ اس نے کھودی، وہ ایمان ہے جب وہ نہ رہا تو اب سہارا کوئی باقی نہیں اس واسطے اس کے لیے ہر تکلیف تکلیف ہے مومن کے لیے کوئی تکلیف تکلیف نہیں اس کو فرمایا کہ جو قیامت مانگ رہے ہو تم جب وہ آئے گی تو چہرے بگڑ جائیں گے، ہوکس ہوا میں اس واسطے کہ وہ قوّت تو ہے نہیں جس سے سہارا

لیتے تم یعنی ایمان کی قوّت وہ تو ہے نہیں اور جب وہ نہیں ہے تو مصیبتیں ہی مصیبتیں ہیں حلیے بگڑ جائیں گے۔ کہاں مانگ رہے ہو اور جس میں ایمان ہے وہ کبھی نہیں مانگے گا قیامت کو وہ کہے گا جب آئے گی آئیگی میں تو اللہ کے وعدے کو سچّا جانتا ہوں کہ آنے والی ہے مجھے تو عملِ صالح کرنا ہے وہ نہ مانگے گا قیامت، فرمایا کہ جب وہ آجائے گی تو سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کفّار کے چلیے اور چہرے بگڑ جائیں گے اور اس وقت کہا جائے گا کہ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ وہ جو مانگتے تھے یہ ہے اب اسے بھگتو، وہ آگئی قیامت لے لو اسے، قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ تو مختلف سوالوں سے کفّار رلانا چاہتے تھے۔ عقائد، تو پہلا تو یہی سوال کر دیا مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کہاں ہے صاحب وہ وعدہ اس کا تو جواب دے دیا گیا اس کے بعد جب اس میں چپ ہوئے تو ایک دوسرا سوال شروع کر دیا اور وہ کیا وہ یہ کہ صاحب جب قیامت آئے گی نہ تم رہو گے نہ ہم رہیں گے، تو فکر کی کیا بات ہے تم بھی ہلاک ہو گے اگر تم پر قیامت آئی، تو ہم ہی ہو گئے تو کیا، اُس کا جواب دیا حق تعالیٰ نے فرمایا پیغمبر سے کہ تم کہہ دو کہ بھئی مجھے یا میرے ساتھیوں کو اگر اللہ ہلاک کریں یا مجھ پر رحم کریں اور ہلاک نہ کریں کوئی بھی صورت ہو تمہیں کیا فائدہ اس سے؟ میں اور میرے ساتھی ہلاک ہوں یا میں اور میرے ساتھی نجات پائیں تو تمہیں کیا فائدہ پہنچا تم پر جو گزرنی ہے گزرے گی اپنی فکر کرو۔ ہماری فکر میں کیوں پڑے ہوئے ہو ہم چاہے ہلاک ہوں چاہے نجات پائیں تم تو اپنی فکر کرو، اسلیے کہ قیامت تو آنے سے ٹلے گی نہیں اور جب وہ آئے گی تو ہم پر بھی آئے گی تم پر بھی آئے گی تو اب کوئی شخص یوں کہے کہ چونکہ تم پر آئے گی اس واسطے مجھے کوئی فکر نہیں اس سے زیادہ کون احمق ہے بھئی تیرے اُوپر بھی تو آئے گی دوسرے پر کچھ بھی گزرے، تو فرمایا قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِیَ بھلا بتلائیے کہ اللہ مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو یا ہلاک کرے اَوْ رَحِمَنَا یا ہم پر رحم کرے فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ کفّار کو عذاب سے بچانے والی کون سی چیز ہے اگر ہمیں ہلاک ہی کر دیا تو تم بچ گئے عذاب سے؟ تو تم اپنی فکر کرتے۔ بجائے اپنی کے ہمارا فکر شروع کر دیا کہ نہ تم رہو گے نہ ہم رہیں گے بھئی ہم رہیں نہ رہیں تمہارا کیا بنے گا تم اپنی فکر کرو تو مطلب یہ ہے کہ یہ بھی سوال مہمل ہے اور یہ سارے سوال اسی لیے ہوتے ہیں کہ عقیدہ کو رلا ملا کر ختم کر دیں اِدھر اُدھر کی باتوں میں ٹال کر اور ضائع کر دیں اس

چیز کو، قرآن میں ایک ایک چیز کو پکڑتے ہیں اور اس کے بعد فرمایا کہ آپ تو کہہ دیجیے کہ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ہم تو رحمٰن پر ایمان لے آتے ہیں اور اس پر بھروسہ کر لیا ہے اور اس کی وجہ سے ہم عمل صالح کر رہے ہیں اور ہمیں اللہ کی ذات سے یقین ہے کہ ہمیں راحتیں ملیں گی اُس عالم میں، تو ہم مطمئن ہیں تم اپنی فکر کرو تم کس چیز پر اطمینان رکھتے ہو نہ ایمان نہ تم میں توکل اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ہم تو ایمان بھی لے آئے۔ عقیدہ دُرست ہو گیا توکُّل کیا تو عمل دُرست ہو گیا تو ہمارا تو ایمان بھی دُرست عمل بھی دُرست ہمیں یقین ہے کہ انجام ہمارا نیک ہوگا اب تم اپنی فکر کرو نہ ایمان نہ توکل تو تم کہاں جاؤ گے باتیں بنانے سے عذاب ٹلنے والا نہیں ایمان لانے سے ٹلنے والا ہے اور تم باتیں بنا بنا کے چاہتے ہو ٹلا دو عذاب کو اس طرح نہیں ٹلا کرتا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ عنقریب تم جان لوگے کہ کون گمراہی میں تھا اور کون حق پر تھا جب نتائج سامنے آئیں گے تو پتہ چل جائے گا تو دُنیا میں تو ہم نے تمہیں عقل سے بھی سمجھا دیا۔ مشاہدہ سے بھی سمجھا دیا۔ عقلِ صحیح سے بھی سمجھا دیا اب اگر نہیں سمجھتے مشاہدہ ہی چاہتے ہو تو عنقریب وقت آنے والا ہے تمہیں پتہ چل جائے گا کون ہدایت پر تھا کون ضلالت پر، جب بُرے نتائج آئیں گے سامنے تو سمجھ میں آجائے گا کہ تم گمراہی میں تھے اور جب ہمارے سامنے اچھے نتائج آئیں گے تو ہم بھی سمجھ جائیں گے کہ ہم ہی حق پر تھے۔ اَب آگے تمہیں زیادہ سے زیادہ بھروسہ اس دُنیا کے سامانوں پر ہے۔ اوّل تو یہ وہاں نہیں جائیں گے لیکن اگر وہاں نہ بھی جائیں یہ تو بعد کی بات ہے، دُنیا میں بھی رہنا تو کوئی لازمی بات نہیں ہے، سامان ہوتے ہیں اور پھر چھین لیے جاتے ہیں ہزاروں امیر غریب بنتے دیکھے گئے۔ ہزاروں غریب امیر بنتے دیکھے ہیں۔ ہزاروں امراء ہیں کہ دولت کے انبار لگے ہوتے ہیں اور چین میسّر نہیں حالانکہ دولت کا مقصد یہ ہے کہ چین ہو تو بہت سے دولت مند ہیں چین نصیب نہیں ہے کوئی گھن لگ گیا قلب پر کوئی فکر لگ گیا، تو لاکھوں روپیہ رکھا ہُوا ہے مگر وہ جو گھن لگا ہُوا ہے ساری زندگی کِرکِری ہو گئی ——— اس سے تو جن سامانوں پر تم بھروسہ کر رہے ہو، آخرت تو بعد کی چیز ہے۔ دُنیا میں بھی نفع دینے والے نہیں کہ سامان ہوتے ہیں اور چین میسّر نہیں آتا۔

سکون و چین آنے کا ایک ہی راستہ ہے

چین اگر آتا ہے تو پھر وہی ایک رستہ ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرے آدمی توکّل اور اعتماد اور ایمان، چین اسی سے ملے گا۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللہ کے ذکر سے ہی دل چین پا سکتے ہیں سامانوں سے چین نہیں پا سکتے سامان ہیں وہ خود ذریعہ بن جاتے ہیں جتنا زیادہ ہوگا سامان زیادہ مصیبت پڑے گی وہ کسی عربی کے شاعر نے کہا ہے۔

اِذَا اَدْبَرَتْ کَانَتْ عَلَی الْمَرْءِ حَسْرَۃً ۔۔۔ وَاِنْ اَقْبَلَتْ کَانَتْ کَثِیْرًا ھُمُوْمُھَا

دُنیا جب جاتی ہے تو حسرتیں چھوڑ کر جاتی ہے برسوں روتا ہے آدمی اور جب آتی ہے تو سینکڑوں مصیبتیں ساتھ لاتی ہے کہیں محافظ کی فکر کہیں سنتری کی فکر، کہیں چور کی کہیں ڈاکو کی ایک مصیبت میں مبتلا اور ایک وہ ہے کہ بقدرِ ضرورت ہے کھانے پینے کو تو "کس نیاید بخانہ درویش کہ خراجِ زمین و باغ بدہ" درویش کے گھر کوئی نہیں آتا کہ بھئی ٹیکس ادا کرو خراج ادا کرو وہ اپنا بادشاہ بنا بیٹھا ہے

جہاں دولت زیادہ ہے مصائب بھی زیادہ ہیں

تو جہاں دولت زیادہ ہے مصائب بھی زیادہ ہیں اور ہمیشہ رہنے والی نہیں بیچ میں جواب دے جاتی ہے بیوفائی کرتی ہے تو ایسی بے وفا پر تم بھروسہ کیے ہوئے ہو آخرت کے بارے میں، آخرت تو بعد میں ہے تم دُنیا تو سنبھال لو وہ لازمی نہیں سنبھلنی ایک چیز چھن جائے اللہ کی طرف سے تو ساری زندگی ختم، فرمایا کہ ہم مثال دیتے ہیں پانی کی، پانی کنوؤں میں ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ پانی کو نیچے کر دیں، خشک سالی کے زمانے میں ایسا ہوتا ہے کہ کنویں ہو جاتے ہیں خشک، پانی چلا جاتا ہے نیچے، اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُکُمْ غَوْرًا۔ اگر گہرائیوں میں پانی چلا جائے تو تم کھدائی کر کے نہیں پہنچ سکتے۔ فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ پھر پانی لانے والا کون ہے تمہارے واسطے یہ سامان تھا اس پر بھروسہ تھا اللہ نے ذرا نیچے کر دیا پچاس گز۔ اَب بیٹھے ہوئے ہیں نہ کھدائی کر سکتے ہیں اور اگر کھودیں گے اور نیچا ہو جائے گا اور نیچا تو تحت الثریٰ تک تو کھودنے سے رہے وہ کھودے جاؤ تو کھودتے رہو گے مرتے رہو گے کھودتے رہو گے زندگی دینے والا کوئی نہیں تو ایک پانی کی مثال دی کہ اسے اگر گہرائیوں میں اُتار دے تو زندگی کا کوئی سامان نہیں دریا خشک ہو جائیں اور قحط سالیوں کے زمانے میں ہوتا ہے کہ آسمان تو برسانا بند کر دیتا ہے۔ دریاؤں میں خشکی آجاتی ہے۔ کنویں نیچے اُتر جاتے ہیں تو ہزاروں آدمی مرجاتے ہیں تو ایک پانی پر جب اس کا قبضہ نہیں ہے

وہ آدمی بھروسہ کرے گا کہ قیامت میں اچھی طرح سے ہوں گا اور قیامت آجائے تو میں نمٹ لوں گا، تم ان چیزوں سے نمٹو گے جو تمہارے پاس ہر وقت موجود، اگر آفتاب کے اندر گرمی نہ رکھی جائے تو ساری دُنیا برف کی طرح جم کر رہ جائے اس کی حرارت ہے جس نے پگھلا رکھا ہے ہَوا اگر منٹ بھر کے لیے روک دی جائے سانس لینے بند ہو جائیں تو زندگی ختم ہو جائے تو آگ نہ رہے جب ختم آدمی پانی نہ ہو جب ختم، ہَوا نہ رہے جب ختم، مگر اور چیزیں تو خیر اُوپر کی ہیں پانی تو ہر وقت کا ہے جس کو کھودا اور نکال لیا اس کو نیچے اُتار دیں تب اس پر قبضہ نہیں تو آخر کون سی چیز پر تمہارا قبضہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے دعوے کر رہے ہو کہ صاحب لے آؤ قیامت کو جیسے معلوم ہو بڑا لشکر جرّار اُن کے ہاتھ میں ہے کہ قیامت آتے گی یہ مقابلہ کریں گے اسے دھکیل کر پَرے کر دیں گے تم اپنی عمر کے ایک سال کو نہیں دھکیل سکتے زندگی جاتی ہُوئی روک نہیں سکتے۔ آتی ہُوئی ہو تو نہیں روک سکتے تو کون سی طاقت ہے کہ اتنے بڑے بڑے دعوے اور اللہ سے لڑنے کا ارادہ کیا تو قُلْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ فرما دیجیے کہ اگر اس حالت میں تم صُبح کرو کہ پانی کنوؤں کے نیچے اُتر جائے تو پانی لانے والا کون ہے تمہارے پاس، تو یہ ایک مثال ہے سارے عناصر کو اس پر قیاس کر لو اور پانی پر آگ کو بھی ہَوا کو بھی مٹی کو بھی جب ہاتھ پلّے کچھ نہیں تو دعوے مت کرو غالب اور قوی خُدا کے سامنے جُھک جاؤ یہی ہے پناہ کی صُورت لڑنا پناہ کی صُورت نہیں ہے۔ بس دُعا کیجیے ایک سُورت ختم ہوگئی۔ الحمد للہ۔

○

ضروری اطلاع

محکمہ ڈاک والوں نے یہ قانُون وضع کیا ہے کہ جن پتوں پر علاقہ کا پوسٹ کوڈ نمبر درج نہیں ہوگا وہ قبول نہیں کیے جائیں گے اس لیے قارئین انوارِ مدینہ سے گزارش ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقے کے پوسٹ کوڈ نمبر ادارہ انوارِ مدینہ کو ضرور ارسال کر دیں تاکہ قانُونی تقاضے پُورے کیے جا سکیں اور رسالہ کا پہنچنا یقینی بن سکے۔ (ادارہ)

مولای صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین واحباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است — خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۶، ۱۹۸۲-۱-۸

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰة والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتْبَعُ الْمَیِّتَ ثَلٰثَةٌ فَیَرْجِعُ اثْنَانِ وَیَبْقٰی مَعَہٗ وَاحِدٌ یَتْبَعُہٗ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ وَعَمَلُہٗ فَیَرْجِعُ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ وَیَبْقٰی عَمَلُہٗ۔ (متفق علیہ)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّکُمْ مَالُ وَارِثِہٖ اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ مَّالِہٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُہٗ اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ مَالِ وَارِثِہٖ قَالَ فَاِنَّ مَالَہٗ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِہٖ مَا اَخَّرَ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میّت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں جن میں سے دو واپس لوٹ آتی ہیں اور ایک ساتھ رہ جاتی ہے۔ میّت کے

[1] مشکوٰة، ص: ۴۴۰ -

ساتھ اس کے گھر والے، اس کا مال اور اس کا عمل جاتا ہے۔ گھر والے اور مال تو واپس لوٹ آتے ہیں عمل ساتھ رہ جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہم میں سے ہر ایک کو اپنا مال زیادہ محبوب ہے اپنے وارث کے مال سے آپ نے فرمایا سمجھ لو کہ آدمی کا مال وہی ہے جو اُس نے آگے بھیج دیا اور جو مال وہ پیچھے چھوڑ گیا وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلٰثَةٌ میّت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقٰى مَعَهٗ وَاحِدٌ۔ دو لوٹ آتی ہیں ایک چیز ساتھ رہ جاتی ہے۔ ارشاد فرمایا يَتْبَعُهٗ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَعَمَلُهٗ گھر والے، مال اور عمل۔ یہ چیزیں ساتھ ہوتی ہیں۔ فَيَرْجِعُ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَيَبْقٰى عَمَلُهٗ اس کے گھر والے اور اس کا مال یہ تو لوٹ آتے ہیں عمل رہ جاتا ہے۔

پہلے زمانے میں یعنی زمانۂ جاہلیت میں اس طرح کا دستور تھا کہ اس کے مال کو بھی ساتھ لے جاتے تھے پھر لوٹا لاتے تھے، رشتے دار بھی ساتھ ہُوا کرتے تھے، اگر دیکھا جائے تو یہ سمجھانا مقصود ہے (کہ یہ دستور چلا آرہا تھا کافروں کا) ان کو توجّہ بھی دلانی ہوگئی آخرت کی طرف، تبلیغ کرنی بھی گئی اور سمجھانا بھی ہوگیا، سمجھا کر تبلیغ کرنی ہوگئی کہ انسان کے ساتھ یہ چیزیں روانہ ہوتی ہیں، ان میں کونسی کام کی ہیں اور کونسی اس کے مطلب کی نہیں ہیں وہ یہ ہے کہ انسان کے کام کی چیز اس کے نیک کام ہیں کام کی چیز اس کے اعمال ہیں وہ وہاں رہتے ہیں اور یہ دونوں کے دونوں یہ تو قبر تک ہیں اندر نہیں ہیں قبر کے، یعنی آخرت تک ہیں آخرت میں نہیں ہیں۔ یہ جو عالَم برزخ شروع ہوتا ہے اس میں یہ چیزیں ساتھ نہیں جاسکتیں، انسان جو مال اپنے آپ خرچ کر جاتا ہے وہ سب سے بڑی چیز ہے وہ سب سے زیادہ کام کی چیز ہوگئی اس کی، جو اپنے آپ خرچ کر دیا اس نے، اُس کے بارے میں تو یہ آتا ہے کہ گویا وہ باقی ہے اور گویا وہ محفوظ ہوگیا باقی جو بعد کے لیے چھوڑ گیا ہے وہ تو بعد والوں کی مرضی ہوتی ہے وہ اُن کا مال ہو جاتا ہے۔ اگر وصیّت کر جاتے تو ایک تہائی مال میں وصیّت جاری ہوگی باقی دو تہائی

مال جو ہوگا اس کے بارے میں وصیت کریگا تو وہ بھی باطل ہوگی۔ مال اگر خرچ کر دیا ہے تو وہ بھی عمل میں داخل ہوگیا وہ عمل رہے گا ساتھ اس کے، اس کو فائدہ پہنچائے گا جہاں اُسے ضرورت ہے کام کی، جہاں اُسے ضرورت ہے ساتھی کی، وہاں بہترین ساتھی عمل ہے وہ چاہے جان سے کیا گیا ہو اور چاہے مال سے کیا گیا ہو۔ جو نیکی بھی کی گئی ہو، وہ کام آنے والی چیز ہے اس میں انسان کو توجّہ دلائی گئی ہے کہ ہر چیز میں یہ دیکھ لیں کہ مجھے جو چیز آخرت میں مفید ہے وہی میں اختیار کروں اور باقی چیزوں کے ساتھ اُتنا ہی دل لگاؤں جتنا وقت گزاری کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ دینوی زندگی گزارنی ہے۔ اور اس کے لیے جو طریقہ بتلایا شریعت مطہرہ نے اس طریقہ پر گزارنی ہے۔ وہ بھی عمل میں داخل ہو جائے گی اگر کسی رشتے دار سے ملتے ہیں اور اس نیت سے ملتے ہیں جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بتلائی ہے تو وہ بھی نیکی میں داخل ہے۔ وہ بھی عمل میں چلا گیا۔ انسان کو محبّت جو ہوتی ہے وہ انہی چیزوں (یعنی) مال سے اور اس کے رشتے دار ہیں ان سے ہوتی ہے رشتے داروں میں در بدرجہ کسی سے کتنی کسی سے کتنی یا مناسبت پر جس سے مزاج کی مناسبت ہوئی اُس سے بہت زیادہ تعلق بڑھ جاتا ہے انسان کے دل کی کی چیزیں یہی ہیں کہ حصولِ مال ہو اور رشتے دار ہوں، رشتے داروں کا خیال رکھتا ہے ان کی رعایت میں مال صرف کرتا ہے وہ بُرا نہ مانے فلاں رسم کرلی جائے تاکہ وہ بھی خوش ہو جائیں اور فلاں رسم نہ رہ جائے تاکہ وہ ناراض نہ ہوں۔ یہی خیال آتا ہے ذہن میں عمل کو پیچھے پھینک دیتا ہے آدمی جنابِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا یہ بات الگ ہے، اصل چیز جو ہے وہ عمل ہے اصل چیزیں یہ نہیں ہیں جنہیں اصل سمجھ رکھا ہے۔ اِن کے ساتھ اِن چیزوں کو اُس طرح کام میں لاؤ کہ وہ بھی عمل میں داخل ہوتی چلی جائیں، مال ہے اس طرح کام میں لاؤ کہ وہ بھی آخرت کا سرمایہ بن جائے اور ہر چیز اسی طرح لاسکتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نقل کیا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے اَیُّکُمْ مَالُ وَارِثِہٖ اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ مَّالِہٖ یہ سوال کیا کہ کون ایسا ہے تم میں جو یہ چاہے کہ میرا وارث جو ہے اس کے پاس کوئی مال ہو جائے اور میرے پاس نہ ہو وہ مال، یہ تو کوئی بھی نہیں چاہتا وارث کے پاس چلا جائے اور اس کے پاس نہ رہے اپنے پاس نہ رہے تو یہی جواب دیا مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُہٗ اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ مَّالِ وَارِثِہٖ زندگی میں تصوّر کرلیں اس بات کا کہ جو وارث

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تجھ سا کوئی نہیں!

اے رسولِ امیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، خاتمُ المرسلیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق و یقیں ؛ تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

اے براہیمی و ہاشمی خوش لقب ؛ اے تو عالی نسب ، اے تو والا حسب
دودمانِ قریشی کے دُرِّ ثمیں ؛ تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے ، جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
اے ازل کے حسیں ، اے ابد کے حسیں ؛ تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

بزمِ کونین پہلے سجائی گئی ، پھر تری ذات منظر پہ لائی گئی
سیّدُ الاوّلیں ، سیّدُ الآخریں ؛ تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

تیرا سکّہ رواں کُل جہاں میں ہُوا ، اِس زمیں میں ہُوا ، آسماں میں ہُوا ،
کیا عرب ، کیا عجم ، سب ہیں زیرِ نگیں ؛ تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

تیرے انداز میں وسعتیں فرش کی ، تیری پرواز میں رفعتیں عرش کی
تیرے انفاس میں خلد کی یاسمیں ؛ تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

"سدرۃُ المنتہیٰ" رہگزر میں تری ، "قابَ قوسین" گردِ سفر میں تری
تو ہے حق کے قریں ، حق ہے تیرے قریں ؛ تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

کہکشاں ضَو ترے سرمدی تاج کی ، زلفِ تاباں حسیں رات معراج کی
"لیلۃُ القدر" تیری منوّر جبیں ؛ تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

مصطفےٰ مجتبیٰ ، تیری مدح و ثنا ، میرے بس میں نہیں ، دسترس میں نہیں
دل کو ہمّت نہیں ، لب کو یارا نہیں ؛ تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

کوئی بتلائے ، کیسے سراپا لکھوں ، کوئی ہے ! وہ کہیں جس کو تجھ سا کہوں
توبہ توبہ ، نہیں کوئی تجھ سا نہیں ؛ تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

چار یاروں رضی اللہ عنہم کی شانِ جلی ہے بھلی ؛ ہیں یہ صدیق ، فاروق ، عثماں ، علی
شاہدِ عدل ہیں یہ ترے جانشیں ؛ تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

اے سراپا نفیس ، انفسِ دو جہاں ، سرورِ دلبراں ، دلبرِ عاشقاں
ڈھونڈتی ہے تجھے میری جانِ حزیں ؛ تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ

نفیس الحسینی

(قسط: ۳۰)

خُطبات و عمومی ارشادات

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف "سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

دیکھو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کرنا اور اس طرح تقویٰ کرنا کہ دل لرز رہا ہو اور خوفِ خدا ذہن و دماغ پر چھایا ہوا ہو۔ یہ تقویٰ ایک عمل کرنے والے کے لیے بہت بڑا معاون اور بہت بڑا مددگار اور نہایت مخلص رفیق ہے۔ اور جو شخص ظاہر و باطن میں اپنا معاملہ اللہ سے درست کر لے، جس سے مقصود محض رضاء خداوندی ہو۔ کوئی دنیاوی غرض اور مصلحت پیش نظر نہ ہو، تو یہ ظاہر و باطن کی مخلصانہ اصلاح دنیا میں اس کیلئے باعزت یادگار، اور مابعدالموت کے لیے بہترین ذخیرہ ہے جس وقت انسان ان اعمال کا سب سے زیادہ ضرورتمند ہوگا جو اس نے پہلے سے بھیجے ہوں۔

(دیکھو) (خدا ترسی اور ظاہر و باطن کی اصلاح کی کوشش کارآمد چیزیں یہی ہیں جو مرنے کے بعد انسان کی بہترین رفیق ہوں گی) ان کے علاوہ جو بھی ہے۔ وہ انسان کے لیے یہاں تک بے کار ہے کہ قیامت کے روز انسان تمنّا کرے گا کہ کاش اس عمل کے اور میرے درمیان مدّت دراز کی مسافت ہوتی۔

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے اس کی بے انتہا مہربانی اور اس کے بے پایاں رحم و کرم ہی کا تقاضا ہے کہ وہ خود اپنی ذات کا تم کو خوف دلا رہا ہے (کہ تم غافل۔ لاابالی۔ نفس پرست نہ بنو کہ اللہ کے عذاب کے مستحق ہو جاؤ کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہوتا ہے۔ اس کی طاقت بھی بے پایاں ہے جس کو عذاب دینا چاہے تو کوئی نہیں جو اس کے عذاب کو روک سکے۔)

اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ اس کا قول حق ہے جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے۔ جو وعدہ کرتا ہے پورا کرتا ہے اس میں خلاف نہیں ہوتا۔ اس کا ارشاد ہے کہ اس کی بات پلٹی نہیں جاتی اور وہ بندوں پر ظلم بھی نہیں کرتا،

پھر وہی بات ہے۔ اللہ سے تقویٰ کرو۔ موجودہ وقت اور حالت میں اور مستقبل میں بھی۔ پوشیدہ بھی اور علانیہ بھی۔ جو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کے گناہوں کا کفارہ فرماتا ہے اور اس کے اجر کو بڑھاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کرے وہ کامیاب۔ پُورا پُورا کامیاب۔ بہت بڑی کامیابی کے ساتھ کامیاب۔

غرض یہ ہے کہ بہر صُورت خوفِ خدا کو سامنے رکھو۔ خوفِ خُدا وہ اکسیر ہے جو عذابِ خُدا سے بچاتا ہے اُس کی سزا اور اُس کی ناراضی سے محفوظ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کرنا اور خوفِ خدا وہ تریاق ہے جو چہرہ کو روشن کر دیتا ہے، رَب کو راضی کرتا ہے اور درجہ کو بُلند کرتا ہے۔ پس جہاں تک ممکن ہو تقویٰ کا حصّہ پُورا پُورا حاصل کرو اور دیکھو بارگاہِ رَبّ العزّت کے حق میں کوتاہی مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کی قدر کرو کہ اُس نے اپنی کتاب میں تمہیں کامل و مکمل تعلیم دی ہے۔ تمہارے لیے واضح طور پر راستہ مقرر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے کر دیا کہ جھُوٹے اور سچّے کھل کر سامنے آجائیں۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا ہے۔ تم بھی احسان کرو۔ تمہارا احسان یہ ہے کہ خود اپنے افعال اور اعمال کو دُرست کرو۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی رکھو۔ اس کے دُشمنوں کو اپنا دُشمن جانو۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پُرجوش اور سَرگرم جدّوجہد پوری طرح کرتے رہو۔ وہی رَبّ العزّت ہے۔ وہی مولاءِ برحق ہے جس نے تمہیں اپنے دین کامل کے لیے مُنتخب فرمایا۔ تمہارا نام "مسلم" رکھا تاکہ جو برباد ہو تو اس حالت میں برباد ہو کہ کھلی ہُوئی حجّت اس کے سامنے ہو۔ اس کو یہ عذر نہ رہے کہ اس کے سامنے بات واضح نہ ہوسکی اور جو زندہ رہے تو اس طرح زندہ رہے کہ اپنے زندہ رہنے کی دلیل اور حجّت اس کے پاس ہو۔ ولاحول ولا قوّۃ اِلا باللہ (اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ہماری نہ کوئی فکری طاقت ہے نہ عملی قُوّت۔)

دیکھو مختصر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو اور مابعد الموت کے لیے عمل کرتے رہو۔ (اور پُوری طرح سمجھ لو) کہ جو بندہ اس رشتہ کو دُرست کر لیتا ہے جو اس کے اور اس کے پروردگار کے مابین ہے تو خود اللہ تعالیٰ ذمہ دار بن جاتا ہے کہ

اُن معاملات کو دُرست کر دے جو اس بندے اور دوسرے انسانوں کے درمیان ہیں۔

(بات صاف ہے) اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے۔ وہ انسانوں پر حکومت کرتا ہے اور انسانوں کے حق میں اپنے فیصلے نافذ کرتا ہے۔ انسان اپنے پروردگار کے مالک نہیں ہیں۔ نہ اُنہیں خالق ارض و سما کی کسی بات پر کوئی قابو ہے۔ کبریائی اور عظمت صرف اللہ کے لیے ہے۔ ہم میں نہ کوئی طاقت ہے نہ قوت ہے جو کچھ قدرت وخلافت ہے وہ خدا کی مہربانی اور اس کی مدد سے ہے جو بلند وبالا اور بہت بڑی شان والا ہے۔

مقام فکر اور دلیلِ صداقت

اِن تمام خطبوں پر ایک دفعہ اور نظر ڈالیے۔ موضوع خطاب کیا ہے۔ بار بار زور کس بات پر دیا جا رہا ہے۔

خدا کا خوف۔ اللہ سے ظاہر و باطن ہر طرح سے ڈرتے رہنا۔ ظاہر و باطن کی اصلاح۔ اللہ کو یاد رکھنا اور کثرت سے یاد کرنا۔

غور فرمائیے یہ خطبے کب دیے جا رہے ہیں؟ یہ خطبے خاص اس وقت جب مخالفینِ تحریک اور دُشمنانِ اسلام کی منصوبہ بند کوششوں سے جان بچا کر سانس لینے کا پہلا موقعہ مِلا ہے جبکہ آپکا سر قلم کرنے والوں یا گرفتار کرنے والوں کے لیے بڑے سے بڑے انعام کا اعلان فضا میں گونج رہا ہے۔

اوّل سے آخر تک خطبوں کے ایک ایک حرف پر نظر ڈالیے۔ کیا کہیں کوئی ایک لفظ، کوئی اشارہ، کوئی کنایہ بھی ان دُشمنوں کی طرف ہے؟

ان تیرہ سالہ زندگی کی بے پناہ اور مسلسل مصیبتوں کا جو خود اپنے عزیزوں اور اہل قبیلہ کی طرف سے ڈالی گئی تھیں کیا کوئی ذکر ہے؟

غور فرمائیے۔ وسعتِ ظرف۔ علو حوصلہ۔ بلندی ہمت۔

سوچیے کیا ایسی ذات بابرکات کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس نے خُدا کے نام پر جُھوٹ بولا۔ (معاذ اللہ)

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

نئے میدانِ عمل میں پہلے کام

(۱)

تعمیرِ مساجد و اقامتِ صلوٰۃ

(۱) لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (سورہ ۹ توبہ ع ۱۳ آیت ۱۰۸)

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اوّل دن[۱] سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ اس کی پوری پوری حق دار ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو (اور بندگانِ الٰہی تمہارے پیچھے نماز پڑھیں) اس میں ایسے لوگ (آتے) ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ پاک صاف رہیں اور اللہ تعالیٰ (بھی) پاک صاف رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔ (آیت ۱۰۸ سورۃ ۹)

(۲) اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (سورہ ۹ توبہ ع ۳)

فی الحقیقت مسجدوں کو آباد کرنے والا تو صرف وہ ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے اور اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ مانے۔ جو لوگ ایسے ہیں انہیں سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ہدایت یاب (سعادت اور کامیابی کی راہ پانے والے) ہوں گے۔ (آیت ۱۸ سورۃ ۹)

(۳) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (سورۃ ۲ بقرہ ع ۵)

نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور سرِ نیاز خم کرو اُن کے ساتھ جو اللہ کی بارگاہ میں سر جھکائے ہیں (آیت ۴۲ سورۃ ۲)

---

[۱] اوّل یوم۔ کے معنی یہی کیے گئے ہیں کہ اوّل یوم وجدہ یا اوّل یوم بناءہ۔ یعنی وجود میں آنے کے پہلے دن سے یا تعمیر کے پہلے دن ۔ سے ۔ لیکن یہاں یہ نکتہ بھی نظر انداز نہ ہونا چاہیے کہ یوم کے معنی دَور کے بھی آتے ہیں۔ کما فی قولہ تعالیٰ۔ خلق الارض فی یومین۔ (المفردات فی غریب القرآن) یعنی ہجرت کے بعد جو دَور شروع ہوا اُس کے آغاز میں۔ اور یہی سبب ہے کہ اس اوّل یوم کو تاریخ یعنی سنہ ہجری کا پہلا دن مانا گیا۔ افاد السہیلی ان الصحابۃ رضی اللہ عنہم اخذوا التاریخ من قولہ تعالیٰ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ علی التقوٰی مِن اوّلِ یوم۔ وفاء الوفاء ص ۱۷۷ ج ۱ یعنی صحابہ کرام نے لمسجد اسس علی التقوٰی من اوّل یوم سے ہی استدلال کرتے ہوئے سنہ ہجری کا آغاز اس دن سے کیا ہے۔

مسجدِ قبا | قبا کا قیام عارضی تھا، مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی لمحہ اس فرض کی انجام دہی میں صرف نہ ہوتا جس کے لیے وہ خدا کے رسول اور پیغامبر بنائے گئے تھے۔

اقامتِ دین[1]۔ جو انبیاء علیہم السّلام کا نصب العین ہوتا ہے۔ اس کا پہلا کام ہے اقامۃ الصّلوٰۃ یعنی ایسا ماحول بنانا اور ایسی جماعت تیار کرنا جس کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز اور جس کے دِل کا چین ذکر اللہ ہو۔

قبا پہنچ کر سب سے پہلے آپ نے اس فرض کو انجام دیا۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے جو نمبر اوّل میں تحریر کی گئی ہے۔

جماعت: خدا پرستی یعنی خدا واحد کی عبادت آپ کی فطرت تھی۔ شبِ معراج میں خاص نوعیت کی تعلیم دی گئی اور اگلے روز حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے نازل ہو کر پانچوں وقت کی نمازوں کی عملی تعلیم بھی دے دی۔ دو روز تک پانچوں وقت کی نمازیں پڑھا کر جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے ارکان اور اوقاتِ نماز کی تعلیم دی۔ جماعت اور نماز باجماعت کا طریقہ بھی بتا دیا، لیکن جب تک آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مکّہ معظّمہ میں رہے تسلسل کے ساتھ نماز باجماعت کا موقع نہیں مِل سکا۔ جہاں اسلام کا نام لینا ہی مشکل تھا وہاں جماعت کا سلسلہ کس طرح قائم ہو سکتا تھا۔ مدینہ کے حضرات اسلام سے مشرف ہوئے۔ اُن کی تعلیم کے لیے خاص خاص حضرات کو بھیجا گیا۔ یہاں کچھ حلقے مُسلمانوں کے قائم ہُوئے تو نمازوں کی جماعتوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔

پھر ان حضرات نے اپنے ہی اجتہاد سے ہفتہ میں ایک روز عمومی جماعت کے لیے بھی مقرر کر لیا اور سرورِ کائنات رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ابھی مکّہ معظّمہ میں تھے کہ نماز جمعہ کی فرضیت بھی نازل ہو گئی جس نے حضرات صحابہ کے اجتہاد کی تصدیق کر دی۔ صحابہ کرام کا یہ اجتہاد وہ تھا جس پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم فخر کیا کرتے تھے کہ یہود اور نصاریٰ نے ہفتہ میں ایک دن عمومی اجتماع کے لیے مقرر کیا مگر وہ منشاء خداوندی کے مطابق نہیں تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں اس دن کی توفیق بخشی جو منشاء خداوندی کے عین[2] مطابق تھا۔

---

[1] یعنی دین کے منشاء اور مقصد کو صحیح طور سے سمجھنا اس کے تمام پہلوؤں کا خیال رکھنا اور پوری مستعدی سے اس کو جامۂ عمل پہنانا۔ [2] ھذا یومھم الذی فرض علیھم فاختلفوا فیہ فھدانا اللہ الحدیث (بخاری شریف باب فرض الجمعہ صنہ ۱۲ ھذا یومھم الذی فرض علیھم۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کوئی مسجد تعمیر نہیں ہوئی تھی اور تاریخِ اسلام اَب تک بجز ایک مسجد کے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ میں اپنے مکان کے سامنے میدان میں بنائی تھی، کسی اور مسجد کی تعمیر سے ناآشنا تھی، کوئی مکان کوئی میدان یا کسی میدان کا کوئی حصّہ نماز کے لیے مقرر کر لیا جاتا تھا۔ وہاں لوگ نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ عموماً بکریوں کے باڑے[2] میں کسی حصّہ کو نماز کے لیے مخصوص کر لیا کرتے تھے۔ ورنہ جہاں وقت آتا نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

قبا کا قیام عارضی تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ کتنے روز قیام رہا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ صرف تین روز قیام رہا۔ مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس عارضی قیام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنیاد ڈال دی۔[3] کلثوم بن ہدم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان تھے۔ انہیں کا ایک تھا جس میں کھجور سکھائے جاتے تھے۔ اسی میدان میں یہ مسجد تعمیر کی گئی۔ سب سے پہلے آپ نے پتھر رکھا۔ دوسرا پتھر حضرت صدیق اکبر اور تیسرا فاروق اعظم سے رکھوایا۔ (رضی اللہ عنہم) پھر جملہ صحابہ رضی نے حصّہ لیا۔ خود ہی مزدور تھے اور خود ہی معمار۔ مزدوروں میں خود آقا دوجہاں بھی شامل رہے۔ بھاری بھاری پتھر اُٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا۔ مٹی بدن اطہر پر پڑتی۔ کوئی صحابی آگے بڑھ کر پتھر لے لیتا تو آپ دوسرا اُٹھا لیتے تھے۔[4]

مسجد کی تعمیر کے ساتھ آدابِ معاشرت اور اخلاق کی تعمیر بھی ہوئی حتّٰی کہ کلام اللہ شریف میں جب مسجد کا تذکرہ فرمایا تو ساتھ ساتھ اہلِ مسجد کی بھی تحسین فرمائی۔ فیہ رجال یحبّون ان یتطھروا (اس میں وہ لوگ ہیں جو محبّت کرتے ہیں۔ اس بات سے کہ پاک صاف رہیں) پھر اُن کو شرفِ لازوال اور فخرِ دائم یعنی اللہ تعالیٰ کی محبّت کا پروانہ بھی عطا ہو گیا۔ واللہ یحبّ المطھرین (اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے)

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) یعنی الفرد المنتشر الصادق بالجمعة فی حقنا و بالسبت و الاحد فی حقھم (فاختلفوا فیه فھدانا الله له) ای لھذا الیوم کما ھو عند الله (حجۃ اللہ البالغہ ص۲۶ ج۲) [1] بخاری شریف ص۵۵۳

[2] یہ باڑے رہائشی مکانوں کے قریب ہوتے تھے اور عام لوگ انہی باڑوں میں رہا بھی کرتے تھے۔ [3] واسس المسجد الذی اسّس علی التقوٰی۔ بخاری شریف ص۵۵۵ وفاء الوفاء کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تکمیل بعد میں ہوئی۔ مدینہ میں قیام فرمانے کے بعد آپ صحابہ کرام کے ساتھ قبا تشریف لائے اور مسجد کی تعمیر کرائی۔ وفاء الوفاء ص۱۷۹ ج۱۔

[4] وفاء الوفاء ص۱۸۰ ج۱۔

مولوی محمد حسین
مدرس مدرسہ شمسیہ فخر المدارس احمد پور سیال

المؤمن مرآة المؤمن

نحمدہٗ و نصلی علیٰ حبیبہٖ اما بعد! آپ نے سمندر کوزے میں بند کا محاورہ ضرور سُنا ہوگا لیکن نبی امّی فداہ ابی و اُمّی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی احادیث مُبارکہ سے بہتر اس کا مصداق کسی انسان کا کلام نہیں بن سکتا حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں اعطیت جوامع الکلم مجھے جامع کلمے عطا کیے گئے ہیں یعنی لفظ تھوڑے اور معانی مطالب زیادہ جامعیت کی ایک جھلک اس جملے میں دیکھیں۔ حدیث شریف میں ہے المؤمن مرآة المؤمن ایک مُسلمان دوسرے مُسلمان کا آئینہ ہے اس کی گہرائی میں معانی کا ایک سمندر موجیں مار رہا ہے اس کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں مشتے نمونہ از خروارے چند مطالب بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) جس طرح آئینہ آدمی کو اس کے عیب پر مطلع کر دیتا ہے اسی طرح مُسلمان اپنے دوسرے مُسلمان بھائی کو اس کی اصلاح کی طرف متوجّہ کرتا ہے۔

(۲) جس طرح آئینہ انسان کو اسی کے عیب دکھاتا ہے کسی دوسرے کے سامنے وہ عیب بیان نہیں کرتا اسی طرح مُسلمان کی بھی یہ شان نہیں کہ پیٹھ پیچھے دوسرے مسلمان کی بُرائی بیان کرے۔

(۳) جس طرح آئینہ دیکھنے سے اپنے چہرے کے داغ آئینہ میں نظر آتے ہیں اور انسان اپنے چہرے کو صاف کرتا ہے، اسی طرح کسی مُسلمان کے اندر جب مُسلمان کوئی عیب دیکھتا ہے تو وہ اپنے گریبان میں جھانکتا ہے۔

(۴) جس طرح آئینہ صرف عیب ہی ظاہر نہیں کرتا بلکہ حُسن وجمال کو بھی سامنے لاتا ہے اسی طرح مسلمان اپنے بھائی کے صرف عیب ہی نہیں دیکھتا اس کے سامنے اُس کی خُوبیاں بھی ہوتی ہیں۔

(۵) جس طرح کسی شخص کو آئینہ پر غصّہ نہیں آتا کہ اس نے میرے عیب ظاہر کیے بلکہ اسے سنبھال کر رکھا جاتا ہے اسی طرح مُسلمان اپنے کسی خیر خواہ سے جھگڑتا نہیں بلکہ اس کی قدر کرتا ہے۔

⑥ جس طرح آئینہ مُنہ سے کچھ نہیں کہتا اس کی ساخت اور وضع ہی ایسی ہے جب وہ سامنے آتا ہے تو اس کو یعنی انسان کو اپنی خامی نظر آجاتی ہے اسی طرح مُسلمان کی بھی یہ شان ہے کہ عموماً زبانِ قال سے خامی بیان کر کے دوسرے مُسلمان کی دل آزاری نہیں کرتا بلکہ ایسی صورت اختیار کرتا ہے کہ سمجھنے والا سمجھ جائے کہ میری یہ بات اسے ناگوار گزری۔

⑦ جس طرح آئینہ سامنے آنے سے پہلے بالکل صاف ہوتا ہے اور وہ چل پھر کر کسی کے عیب تلاش نہیں کرتا جو اپنی ضرورت سے اُسے اُٹھاتا ہے اس کے سامنے وہ کچھ لاتا ہے اسی طرح مُسلمان دوسرے مُسلمان سے محبّت کی بُنیاد پر ملاقات کرتا ہے۔عیب جوئی کی نیت سے نہیں ملتا۔نیز بوقت ملاقات دونوں کے سینے صاف ہوں پہلے سے ایک دوسرے کے بارے میں غلط مواد نہ رکھتے ہوں۔

⑧ جس طرح آئینہ جب تک سامنے ہوتا ہے اس وقت تک ہی اس میں کسی شئے کا عکس ہوتا ہے جب جُدا ہوتا ہے تو پھر صاف ہوتا ہے اس طرح دو مُسلمانوں کے اندر کسی مجلس میں اگر کچھ تلخی ہو بھی جائے تو وہ اسی مجلس تک محدود ہونی چاہیے بعد میں اس کے اثرات دلوں میں نہیں ہونے چاہئیں ایک دوسرے کو معاف اور راضی کر کے اپنے آپ کو ایسا صاف کریں جیسا کہ پہلے تھے۔

⑨ جس طرح آئینہ اپنی ساخت میں صاف ہے اور اس کی فطرت پاک ہے۔اپنی سادگی کی وجہ سے فوراً عکس قبول کر لیتا ہے اسی طرح مُسلمان بھی صاف دل ہوتا ہے اس لیے مُسلمان جب دوسرے مُسلمان سے ملے تو اس کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ میری صحبت سے دوسرے مُسلمان کے اندر اچھّے صفات اور جذبات منتقل ہوں۔

⑩ جس طرح آئینہ میں دوسری چیز کا عکس نظر آتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ چیز ایسی ایسی ہے اسی طرح مُسلمان کو ایسی صفات اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں کہ دیکھنے والا اسے دیکھ کر دوسرے مُسلمانوں کے بارے میں اچھی رائے قائم کر سکے کہ مُسلمان ایسے ہوتے ہیں تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ الخطاء منّی والصّواب من اللہ علاوہ ازیں اور نامعلوم کتنے معارف و مسائل اس جُملے میں پنہاں ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں صاحبِ جوامع الکلم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات و فرمودات کو سمجھنے اور اُن پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

✿

قاضی اطہر مبارک پوری

علمائے سلف کی درس گاہیں

موجودہ طرز کے مدرسوں کے قیام سے پہلے اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس اور علمائے اسلام کی تعلیمی و تدریسی خدمات کا اندازہ اُن کے تعلیمی حلقوں اور مجلسوں سے ہوتا ہے جو موقع بموقع برپا ہوتی تھیں جبکہ بہت سے علماء ذاتی طور سے اپنے یہاں تعلیمی سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ نہ مدرسہ کی شاندار عمارت نہ طلبہ کے قیام و طعام اور راحت و آرام کا انتظام نہ ہی مدرسین کی تنخواہ کا تصوّر، اِن سب باتوں کے باوجود پورے عالمِ اسلام میں علومِ دینیہ کی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی تھی اور نہایت ذوق و شوق سے تعلیم و تعلّم کا مشغلہ جاری تھا۔ ذیل میں چند ذاتی مجالسِ درس کا تذکرہ دلچسپی کا باعث ہے اور اس سے ہمارے طلبہ و مدرسین سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

درختِ صنوبر کے زیرِ سایہ درس گاہ

حافظ امام ابوعبداللہ محمد بن رافع قشیری نیشا پوری متوفی ۲۴۵ھ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے نامی گرامی حُفّاظِ حدیث میں سے ہیں، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن ادریس نضر بن شمیل عبدالرزاق صنعانی جیسے آئمہ و اعلام سے حدیث کا سماع کیا تھا، اُن کے تلامذہ میں بڑے بڑے محدثین ہیں اُن کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ

وَھُوَ اَحَدُ مَنْ عَنیٰ بِالسُّنَنِ حَالاً وَّ مَالاً — اُنھوں نے اپنی جان و مال سے احادیث پر توجہ کی۔

فقر و استغناء علمائے اسلام کے لیے دثار و شعار ہے، اس بارے میں امام محمد بن رافع اپنے اسلاف کے پر تو تھے، ایک مرتبہ امیر طاہر نے آپ کی خدمت میں پانچ ہزار درہم نذر کیے اور اپنے خاص آدمی کے ذریعہ یہ خطیر رقم آپ کے پاس بھجوائی، یہ شام کا وقت تھا۔

سورج کا سایہ دیواروں پر آ گیا تھا اور رات کے کھانے کا کوئی خاص انتظام نہ تھا مگر آپ نے اس کو قبول نہیں کیا، حالانکہ امیر طاہر کی اولاد آپ کے حلقۂ درس میں آکر استفادہ کرتی تھی، امام ابن رافع رح اپنے مکان کے صحن میں صنوبر کے درخت کے زیرِ سایہ اپنا حلقۂ درس قائم کرتے تھے جس میں محدثینِ کبار اور امراء کی اولاد شریک ہوتی تھی اس حلقۂ درس کے رعب و داب اور وقار کا اندازہ ذیل کے بیان سے ہوتا ہے۔

قال جعفر بن احمد الحافظ ماراٴیت فی المحدثین اھیب من محمد بن رافع، کان یستند الی شجر الصنوبر فی دارہ، فیجلس العلماء بین یدیہ علی مراتبھم واولاد الطاھریۃ ومعھم الخدم کاَنّ علی رؤسھم الطیر فیاخذ الکتاب ویقرئ بنفسہ ولا ینطق احد ولا یتبسم اجلالا لہ فان نطق احد قام۔
(تذکرۃ الحفاظ، ص: ۸۴، ۸۵، ج: ۲)

حافظ جعفر بن احمد کا بیان ہے کہ میں نے محدثین میں محمد بن رافع سے زیادہ بارعب و ہیبت کسی کو نہیں دیکھا وہ اپنے مکان میں صنوبر کے درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے اور اُن کے سامنے عُلماء حسبِ مراتب اور خاندان طاہر کی اولاد اپنے حشم و خدم کیساتھ بیٹھتی تھی، سکون و وقار کا یہ حال تھا کہ گویا اہلِ مجلس کے سروں پر پرندے ہیں محمد بن رافع ہاتھ میں کتاب لے کر خود قرأت کرتے تھے اور اُن کے ادب و احترام کی وجہ سے کوئی شخص نہ بولتا تھا اور نہ مسکراتا تھا اگر کوئی بول دیتا تو مجلس سے اُٹھ جاتا تھا۔

صنوبر کی زیرِ سایہ اسلام کی اس کھلی یونیورسٹی میں ہزاروں طلبہ جن میں علماء، فقہاء، محدثین، امراء و اعیان شامل ہیں۔ حدیث کی تعلیم حاصل کرتے تھے اس کے مدرس و معلّم امام محمدؒ بن رافع قشیریؒ کسی سے معاوضہ کیا وصول کرتے خود اپنے مال و دولت کو خدمتِ حدیث میں لٹاتے تھے اور امراء کے گراں قدر عطیے واپس کر دیتے تھے۔ اُن کا یہ خانگی مدرسہ ہر طبقہ کے لیے کھلا رہتا تھا، رعب و داب اور سکون و وقار کا یہ حال تھا کہ

حاضرین میں کوئی ہنس بول نہیں سکتا تھا اور جس نے اس کے خلاف کیا کسی طبقہ سے ہو فوراً درس گاہ سے اُٹھا دیا جاتا تھا، فقر و استغناء کی بارگاہِ جلال من و تو کے امتیاز سے بہت بلند و بالا ہوتی ہے ساتھ ہی اس کے جمال کا پہلو اتنا وسیع اور پُرکشش ہوتا ہے کہ دُنیا اُس کی طرف کھنچی آتی ہے۔

درختِ جوز کے زیرِ سایہ درس گاہ

سمرقند کے قریب قدیم زمانہ میں صغد نامی ایک نہایت سرسبز و شاداب اور پُرفضا علاقہ تھا جو اپنی شادابی اور حسنِ منظر کی وجہ سے دُنیا کی جنت کہا جاتا تھا اسی علاقہ میں ایک بستی خشوفغن نامی تھی جو علاقۂ صغد کی سب سے زیادہ پرفضا جگہ تھی اس بستی میں ایک مشہور محدّث ابوحفص بجُیری صغدی رحمۃ اللہ علیہ تھے، ان کے بارے میں علامہ سمعانی نے حافظ حمزہ بن احمد کی یہ روایت بیان کی ہے کہ

قُرِیَٔ کتاب الجامع علی ابی حفص البجیری الصغدی بخشوفغن فی کرمہ تحت شجرۃ الجوز و ھی شجرۃ عظیمۃ وسط الکرم۔	ایک مرتبہ خشوفغن میں امام ابوحفص بجُیری صغدی سے ان کے انگور کے باغ میں بادام کے درخت کے زیرِ سایہ صحیح بخاری پڑھی گئی یہ درخت وسطِ باغ میں بہت بڑا تھا۔

اپنے انگور کے باغ میں درخت کے زیرِ سایہ درس حدیث کا یہ منظر دیکھ کر امام ابوحفص نے طلبہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اس وقت ہم لوگ جنّت میں ہیں، طلبہ نے اس کی وجہ معلوم کی تو کہا کہ لوگوں کے خیال میں دُنیا میں جنّت تین ہیں دریائے اُبلہ، غوطۂ دمشق اور سمرقند کا صُغد اور پُورے علاقۂ صُغد میں ہمارے اس دیہات خشوفغن سے زیادہ دلفریب اور پُرفضا کوئی بستی نہیں ہے اور اس بستی میں میرے اس انگور کے باغ سے عمدہ باغ نہیں ہے اور اس باغ میں جس مجلس میں ہم درخت کے نیچے بیٹھے ہیں اس سے زیادہ فرحت بخش اور دِل کشا کوئی مجلس نہیں ہے اس لیے ہم لوگ اس وقت جنّت میں ہیں۔

(الانساب سمعانی، ج: ۸ ص: ۳۱۳)

جوز کے درخت کے زیرِ سایہ یہ درس گاہ صنوبر کے درخت کے زیرِ سایہ مدرسہ

سے مختلف ہے، وہاں جلال تھا یہاں جمال ہے، قدرتی مناظر کی فراوانی ہے سبزہ زاروں کے درمیان حسین بستی میں انگور کا باغ ہے جس میں جوز کا بہت بڑا درخت سایہ فگن ہے جہاں طلبہ حدیث کی پاکیزہ مجلسِ درس قائم ہے جمال فطرت کے تمام سامان بہم ہیں اور حدیث کا درس ہو رہا ہے گویا یہاں جنّت اُتر آئی ہے، کیسے خوش وقت اور اہلِ ذوق عُلماء تھے جو اپنے علم سے اس دُنیا کو جنّت کا نمونہ بنائے ہُوئے تھے۔

لبِ دریا کی درس گاہ امام ابو یعقوب اسمٰعیل بن قتیبہ بن عبد الرحمٰن سُلمی بُشتنقانی متوفی ۲۸۴ھ رحمۃ اللہ علیہ نہایت عابد و زاہد عالم و محدّث تھے اُن کا وطن بُشتنقان شہر نیشاپور سے نصف فرسخ پر تھا۔ شہر نیشاپور کے محلّہ مجالہ میں بھی اُن کا ایک مکان تھا، جمعرات کو یہاں آتے اور شب جمعہ کی شام اور جمعہ کی صبح کو حدیث کا درس دیتے اور جمعہ پڑھ کر اپنے گاؤں بُشتنقان واپس چلے جاتے تھے امام ابوبکر بن اسحاق صبغی کا بیان ہے کہ ۲۸۰ھ پہلی بار ان کے یہاں حدیث پڑھنے کے لیے گیا، اُن کا حال یہ تھا کہ

وکان الانسان اذا رآہ یذکر السلف لسمتہ وزھدہ وورعہ۔	جب انسان ان کو دیکھتا تھا تو ان کی ہیئت اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے سلف کو یاد کرتا تھا۔

اس کے بعد ابوبکر بن اسحاق صبغی بیان کرتے ہیں۔

کنا نختلف الی بشتنقان فیخرج الینا فیقعد علی حصباء النھر، والکتاب بیدہ، فیحد ثنا وھو یبکی۔	ہم طلبۂ حدیث بُشتنقان جاتے تھے تو وہ ہم کو لے کر دریا کے سنگلاخ ساحل پر بیٹھتے اور اُن کے ہاتھ میں کتاب ہوتی تھی ہم سے حدیث بیان کرتے جاتے اور روتے جاتے تھے۔

بشتنقان کے بارے میں سمعانی نے لکھا ہے کہ وھی احدی متنزھات نیشابور، یعنی یہ بستی نیشاپور کی تفریح گاہوں میں سے ایک ہے اس بستی کے حسنِ مناظر اور دل فریبی کو دیکھ

کر ابو نصر بن ابو القاسم قشیری نے کہا ہے۔

یاغرمة الایك سلام علیك سلامُ صب مستهام الیك
ثلاثة لیس لها رابعٌ بشتنقان و فرخك وایك

(الانساب سمعانی، ج:۲، ص: ۲۴۱، ۲۴۲)

دریا کی روانی اور ساحل کی ہریالی اور درسِ حدیث کی مجلس پڑھنے پڑھانے والوں کے ذوقِ لطیف کا پتہ دیتی ہے قدرتی مناظر کے یہ متحرک مدرسے کیف و کم کے اعتبار سے بڑے قیمتی ہوتے تھے۔

رحبۂ غسّان کی درس گاہ

امام ابو مسلم کجی بصری متوفی ۲۹۲ھ رحمۃ اللہ علیہ کا نام ابو مسلم ابراہیم بن عبداللہ بن مسلم بن ماغر ہے۔ ذہبی نے ان کو الحافظ المسند، صاحب کتاب السنن کے ساتھ بقیۃ الشیوخ کے لقب سے یاد کیا ہے، بڑے شاندار اور صاحب ثروت محدّث تھے اُنھوں نے جب اپنی مجلسِ درس منعقد کی اور درسِ حدیث شروع کیا تو اس موقع پر دس ہزار درہم صدقہ کیا اور اپنی تصنیف کتاب السنن کے درس سے فراغت کے موقع پر اپنے شاگردوں کی شاندار دعوت کی جس میں ایک ہزار دینار خرچ کیے۔

امام ابو مسلم کجی آخر عمر میں بصرہ سے بغداد آئے اُن کی آمد پر اہلِ بغداد نے اُن سے حدیث کا سماع کیا، ایک وسیع وعریض میدان میں محدثین جمع ہوئے اور امام ابو مسلم نے اپنے مستملی کے ذریعہ حدیث کا املاء کر دیا اس مجلس درس کے بارے میں احمد بن جعفر ختلی کا بیان ہے۔

لما قدم الکجی بغداد املیٰ فی	ابو مسلم کجی نے بغداد آکر غسّان چوک میں
رحبة غسّان ، فکان فی	حدیث کا املاء کرایا طلبہ کا مجمع اسقدر
مجلسه سبعة مستملین	زیادہ تھا کہ اُن کی مجلس درس میں سات
یبلغ کل واحد منهم	مستملی تھے جو ایک کی آواز دوسرے تک
الاٰخر و یکتب الناس	پہنچاتے تھے اور لوگ کھڑے کھڑے حدیث

عنه قياما، ثم مسحت الرحبة وحُسب من حضر بمحبرة فبلغ ذلك نيفا وأربعين ألف سوى النظارة۔
(تذكرة الحفاظ ج: ۲، ص: ۱۷۷)

لکھتے تھے بعد میں اس میدان کی پیمائش کر کے ان لوگوں کا حساب لگایا گیا جو دوات لے کر آئے تھے تو دواتوں کی تعداد چالیس ہزار سے زائد تھی یہ منظر دیکھنے والوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔

جس حلقۂ درس میں حدیث لکھنے کے لیے چالیس بیالیس ہزار دوات ہو اس کے حاضرین کی تعداد کا اندازہ مشکل ہے، ظاہر ہے کہ ایک دوات سے کئی طلبہ لکھتے رہے ہوں گے، رحبۂ غسان بغداد کا وسیع وعریض میدان تھا، مگر طلبہ کی کثرت کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی اور لوگ کھڑے کھڑے حدیث لکھتے تھے امام ابو مسلم کجی حدیث کی متحرک درس گاہ تھے۔جہاں چلے جاتے وہیں مدرسہ بن جاتا جس میں لاکھوں طلبۂ حدیث جمع ہو جاتے تھے

رحبۂ نخل کی درس گاہ

امام ابوالحسین عاصم بن علی بن عاصم تیمی واسطی متوفی ۲۲۱ھ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بھی متحرک درس گاہ تھی وہ جہاں جاتے طلبۂ حدیث لاکھوں کی تعداد میں اُنکے گرد جمع ہو جاتے تھے، اُنکی مجلسِ درس کی کثرت و رونق اسلامی شان و شوکت کا مظہر تھی احمد بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ مجھ سے خواب میں کہا گیا کہ تم عاصم کی مجلس میں شریک ہو اُن کی مجلسِ درس سے اہلِ کفر جلتے بھُنتے ہیں ایک مرتبہ امام عاصم بن علی اپنے شہر واسط سے بغداد آئے اور حدیث کی مجلسِ درس قائم کی تو اہلِ علم کا بے پناہ ہجوم ہوا، ابوالحسین بن مُبارک اور عمر بن حفص سدوسی کا بیان ہے کہ اس مجلسِ درس کا اندازہ لگایا گیا کہ ایک لاکھ سے زیادہ انسان اس میں شریک تھے امام عاصم بن علی چھت پر بیٹھ کر مجمع کو حدیث کا املاء کراتے تھے اور اُن کا مستملی ہارون کھجور کے ایک ٹیڑھے درخت پر بیٹھ کر اُن کی آواز مجمع تک پہنچاتا تھا، پھر بھی لوگوں تک آواز نہیں پہنچتی تھی، ایک مرتبہ امام عاصم نے کہا حدثنا الليث بن سعد مجمع اس کو سُن نہ سکا اور بار بار دہرانے کی خواہش کرتا رہا حتّٰی کہ امام عاصم نے چودہ بار یہ جُملہ دُہرایا یہ مجلس رحبۂ نخل نامی میدان میں منعقد ہوئی تھی، خلیفہ معتصم نے اس مجلس کے شرکاء کی تعداد معلوم کرنے کے لیے خصوصی انتظام کیا تو معلوم ہُوا کہ اس میں ایک لاکھ

بیس ہزار طلبۂ حدیث شریک تھے۔ عمر بن سدوسی کا بیان ہے۔

وجّہ المعتصم من یحزر مجلس شیخنا عاصم فی رحبۃ النخل وکان یجلس علی سطح و ینشر الخلق حتی سمعتہ یوما یقول حدثنا اللیث بن سعد وھم یستعیدونہ فاعادہ اربع عشر مرۃ والناس لا یسمعون، وکان ھارون یرکب نخلۃ معوّجۃ یستملی عنیھا فحزر المجلس بعشرین ومائۃ الف (تذکرۃ الحفاظ، ج: ۱، ص: ۲۵۹)

خلیفہ معتصم نے آدمی بھیجا جو رحبۃ نخل میں ہمارے اُستاد عاصم کی مجلسِ درس کا تخمینہ لگائے، وہ چھت پر بیٹھ کر لوگوں کو سُناتے تھے۔ ایک دِن مَیں نے سُنا کہ وہ حدثنا اللیث بن سعد کہہ رہے ہیں اور حاضرین اس جُملہ کا اعادہ کرا رہے ہیں۔ اُنھوں نے چودہ بار اس کا اعادہ کیا، پھر بھی لوگ نہیں سُن رہے تھے اور ہارون مستملی کھجور کے ٹیڑھے درخت پر بیٹھ کر آپ کی آواز مجمع تک پہنچا رہا تھا، تخمینہ لگایا تو ایک لاکھ بیس ہزار آدمی تھے

کس قدر باذوق اور صاحبِ جمالیات اساتذہ و تلامذہ تھے، اور کس ذوق و شوق سے درس کے حلقے قائم ہوتے تھے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے اس دَور میں علمِ دین کے حصول کا عام مزاج تھا اور ہر لکھا پڑھا آدمی دین کا عالم ہوتا تھا، آج کی طرح علمِ دین مخصوص جماعت میں محصور نہیں تھا اور نہ ہی اس کے لیے اہتمام و انتظام کرنا پڑتا تھا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صدر مدرس دار العلوم سبیل السلام، حیدر آباد، دکن۔

فقہ حنفی اور اُس کی خصوصیات و اوّلیات

"امام ابو حنیفہؒ"—— فقہ اسلامی کی تاریخ کے وہ منارۂ نور ہیں کہ کوئی دبستانِ فقہ نہیں جس نے اُن سے کسبِ فیض نہ کیا ہو امام شافعیؒ نے جن اساتذہ کا گہرا علمی اثر قبول کیا ان میں ایک ممتاز نام امامِ ہمام کے تلمیذ خاص محمد بن حسن شیبانیؒ کا ہے۔ امام احمدؒ امام شافعیؒ کے تلامذہ میں ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ امام احمدؒ نے امام محمدؒ کی کتابوں سے خاص فائدہ اُٹھایا ہے، خطیب نے ابراہیم حربی سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے دریافت کیا کہ یہ دقائق آپ کو کیوں کر حاصل ہوتے، فرمایا امام محمدؒ کی کتابوں سے "مِنْ کُتُبِ مُحَمَّدٍ"[1] اور خود فقہ مالکی کا سب سے مستند صحیفہ "المدونۃ" امام مالکؒ کے شاگرد اسد بن فراتؒ کے امام محمدؒ سے کسب فیض اور فقہ عراقی اور فقہ مالکی کی تطبیق ہی سے عبارت ہے، اس لیے امام شافعیؒ کا یہ اعتراف بالکل مبنی بر حقیقت ہے کہ الناس کلھم عیال علیہ فی الفقہ[2] فقہ میں لوگ ابو حنیفہؒ کی اولاد ہیں، مشہور محدّث و فقیہ عبد اللہ بن مبارکؒ جن کو شرفِ تلمذ کی بناء پر قریب سے امام صاحب کو دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ وہ علم کا مغز ہیں اِنَّہٗ مُخُّ الْعِلْمِ[3]

---

[1] تاریخ بغداد ۲/۱۷۷　[2] تاریخ بغداد ۲/۲۴۶　[3] الخیرات الحسان ص: ۳۳۔

"فقہ حنفی" اسی امام کے اجتہادات، ان کے تربیت یافتہ تلامذہ کی آراء، و فتاوٰی اور ان کے منہجِ استدلال پر مبنی تخریج و تفریع کا نام ہے ـــــ اس لیے فقہ حنفی کی خصوصیات اور اولیات پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ خود اس فقہ کا ایک اجمالی تعارف سامنے آجائے۔ اس سلسلہ میں چند اُمور ہیں جو خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں:

فقہ حنفی کے مصادر

اوّل: یہ کہ فقہ حنفی کی نقل و روایت کے مصادر کیا ہیں؟ ـــــ عام طور پر ان مصادر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ۱۔ ظاہر روایت، ۲۔ نوادر، ۳۔ فتاوٰی اور واقعات ـــــ ظاہر روایت سے مراد امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے وہ اقوال ہیں جو امام محمدؒ کی ان چھ کتابوں میں مذکور ہوں۔ ۱۔ بسوط (جو حیدرآباد سے "کتاب الاصل" کے نام سے طبع ہو چکی ہے) ۲۔ جامع صغیر ۳۔ جامع کبیر، ۴۔ زیادات (یہ دراصل جامع کبیر کا تکملہ ہے۔ ۵۔ سیر کبیر، ۶۔ سیر صغیر، آخری دونوں کتابیں اسلام کے بین الاقوامی قوانین کے سب سے اہم اور مستند و قدیم مآخذ ہیں، ان چھ کتابوں کو اصول بھی بھی کہا جاتا ہے۔ مکررات حذف کر کے حاکم شہید (۳۴۴ھ) نے "الکافی" کے نام سے ان کو جمع کیا ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے اس کی نہایت سیر حاصل، مدلّل اور زبان و بیان کے اعتبار سے سلیس و رواں شرح "المبسوط" کے نام سے لکھی ہے کہ وہ واقعی اس نام کی حقدار تھی۔ نوادر سے وہ احکام مراد ہیں، جو ان چھ کتابوں کے علاوہ امام محمدؒ کی کسی اور کتاب یا قاضی ابو یوسفؒ اور حسن بن زیادؒ وغیرہ کی طرف منسوب تحریروں میں ذکر کیے گئے ہوں۔[1] عام طور سے چھ کُتب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) ہارونیات: وہ احکام ہیں جن کا امام محمدؒ نے خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں املاء کرایا تھا۔ یہ مجموعہ خلیفۂ وقت کی طرف منسوب ہے۔

(۲) کیسانیات: وہ احکام ہیں جو امام محمدؒ کے شاگرد شعیب بن سلیمان کیسانیؒ نے آپؒ سے نقل کیے ہیں، یہ مجموعہ راوی سے منسوب ہے۔

---

[1] دیکھیے: شرح عقود رسم المفتی ۴۶-۴۹ کُتب نوادر کے ناموں کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں اختلاف ہے، مشہور قول یہاں نقل کیا گیا ہے۔

③ رِقّیات: امام محمدؒ جن ایّام میں "رقہ" نامی مقام کے قاضی تھے، ان ایّام میں جو مسائل و احکام پیش آتے اور آپؒ نے اُن پر اپنی رائے کا اظہار فرمایا، اُسی مقام کی طرف منسوب ہو کر وہ "رِقّیات[1]" کہلاتا ہے۔

④ کتاب المجرد: یہ حسن بن زیادؒ کی تالیف ہے جو امام ابوحنیفہؒ کے ممتاز و جلیل القدر تلامذہ میں تھے۔

⑤ کتاب الامالی: یہ حضرت الامام کے مایۂ ناز تلمیذ امام ابویوسفؒ کی طرف منسوب ہے۔

فتاویٰ اور واقعات سے یہ مراد ہے کہ جن احکام کی امام ابوحنیفہؒ نے صراحت نہ کی ہو اور آپؒ کی مجلسِ بحث و تحقیق میں وہ زیرِ بحث نہ آسکے ہوں اُن کے متعلق بعد کے فقہاء و مشائخ کے استنباطات اور فقہ حنفی کے اُصولوں کو سامنے رکھ کر تفریع و تخریج کی گئی ہو، اس سلسلہ میں تین کتابوں کا خصوصیّت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ ابو اللیث سمرقندی (م ۳۷۳ھ) کی "کتاب النوازل" جو اس نوع کی اوّلین کتاب شمار کی جاتی ہے، دوسرے کی مجموع النوازل والواقعات" اور تیسرے صدر الشہید کی "الواقعات" یہ وہ معروف اور ابتدائی مصادر ہیں جن کو فقہ حنفی کے احکام و مسائل اور جزئیات و فروع کا زمین اور سرچشمہ قرار دیا جاتا ہے۔

فقہ حنفی پر فقہاء کوفہ کا اثر

فقہ حنفی کی تدوین اور اس کے عمومی مزاج کو سمجھنے کے لیے اس بات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جس فقہ کی جس شہر اور علاقہ میں نشوونما ہوتی ہے اس نے وہاں کے علماء اور اربابِ نظر کا خاص اثر قبول کیا ہے مثلاً فقہ مالکی مدینہ میں پروان چڑھی اور یہیں اُس نے ارتقاء کے سارے مراحل طے کیے، چنانچہ علماء مدینہ اور وہ صحابہ جن کے حلقۂ درس و روایت سے مدینہ آباد رہا، فقہ مالکی کی اساس زیادہ تر اُنھیں کی روایات اور اجتہادات پر ہے، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی آراء سے امام مالکؒ کے مسلک کا تقابل کیا جائے تو بہت کم فرق محسوس کیا جائے گا۔ مکّہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علم و تفقہ کا چراغِ عالمتاب روشن تھا اور مکّہ کے اکثر اہلِ علم اُنھیں کے تلامذہ

---

[1] "را" کے زیر اور "ق" کے تشدید کے ساتھ۔

اور مستفیدین میں تھے، امام شافعیؒ کے علمی اور فقہی سفر کا آغاز یہیں سے ہوا، چنانچہ فقہ شافعی پر ابنِ عباسؓ کی روایات اور آراء کا خاص اثر نظر آتا ہے ـــــــ یہی حال فقہ حنفی کا ہے، فقہ حنفی نے کوفہ میں آنکھ کھولی۔ یہیں جوان ہوئی اور یہیں اسے پختگی حاصل ہوئی۔ مکہ و مدینہ اور حجاز کو اگر یہ اہمیت حاصل ہے کہ یہیں سے نبوتِ محمدیؐ کا سورج طلوع ہوا اور علومِ نبوت کی پہلی کرن نے اسی علاقہ کو ضیاء بار کیا، تو کوفہ کو بھی یہ امتیاز حاصل ہے کہ خلیفہ مظلوم حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد عالمِ اسلام کا نہ صرف سیاسی بلکہ علمی، فکری اور تمدنی دارالخلافہ بھی کوفہ منتقل ہو گیا اور اکابر صحابہ یہاں آگئے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو عہدِ فاروقی ہی میں اس شان کے ساتھ یہاں خیمہ زن ہوئے تھے کہ مزاجِ نبوت کے خاص شناور اور فقہ الرائی کے اولین مؤسس سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو بھیجتے ہوئے اہلِ کوفہ کو لکھا تھا کہ ابن مسعودؓ کو بھیج کر میں ایثار سے کام لے رہا ہوں" لیکن اب خود حضرت علیؓ اور اکابر صحابہ کا قدم کوفہ و عراق کی خاک کو اکسیر بنا رہا تھا کہا جاتا ہے کہ یہ وہ خوش قسمت شہر تھا جہاں ایک ہزار سے زیادہ صحابہ نے اپنا رختِ سفر کھولا اور یہیں مقیم ہو رہے اور بقول علامہ شبلی نعمانی ان میں ۲۴ بدری صحابہ تھے[۱]

مختلف مکاتبِ فقہ پر اس شہر کے علماء اور اصحابِ افتاء کی رائے کا اثر ایک فطری بات ہے اور شاہ ولی اللہؒ صاحب نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

صار کل عالم من علماء التابعین مذهب علی خیاله فانتصب فی کل بلد امام مثل سعید بن المسیب و سالم بن عبد الله فی المدینة وبعدهما الزهری والقاضی یحیی بن سعید و ربیعة بن عبدالرحمن فیها وعطاء بن ابی رباح بمکة وابراهیم النخعی والشعبی بکوفة والحسن البصری بالبصرة وطاؤس بن کیسان بالیمن ومکحول بالشام... وکان سعید واصحابه یذهبون

---

[۱] سیرة النعمان ص۳۴

الی ان اھل الحرمین اثبت الناس فی الفقہ واصل مذھبھم فتاوی ابن عمر وعائشۃ وابن عباس وقضایا قضاۃ المدینۃ ... وکان ابراھیم واصحابہ یرون ان عبد اللہ بن مسعود واصحابہ اثبت الناس فی الفقہ۔

علماء تابعین میں سے ہر عالم کے لیے ان کے نقطۂ نظر کے مطابق فقہی مذہب بن گیا تھا اور ہر شہر میں کسی عالم نے امام کی حیثیت اختیار کر لی تھی، جیسے مدینہ میں سعید بن مسیب اور سالم بن عبداللہ اور ان کے بعد ابن شہاب زہری اور قاضی یحیی بن سعید اور قاضی ربیع بن عبدالرحمٰن، مکّہ میں عطاء بن ابی رباح، کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شعبی، بصرہ میں حسن بصری، یمن میں طاؤس بن کیسان، شام میں مکحول ... سعید بن مسیب اور ان کے اصحاب اہلِ حرمین کو فقہ کے معاملہ میں سب سے بلند پایہ باور کرتے تھے اور ابن عمر، عائشہ، ابن عبّاس کے فتاوٰی اور مدینہ کے قضاۃ کے فیصلے اُن کے مذہب کی اصل ہیں۔ ابراہیم نخعی اور اُن کے اصحاب کا خیال تھا کہ ابن مسعود اور اُن کے اصحاب فقہ میں سب سے راجح اور فائق ہیں۔

کوفہ کے مخصوص حالات

کوفہ کے بارے میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بمقابلہ دوسرے شہروں کے کوفہ وعراق کے علاقہ کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا، عراق وہ جگہ تھی جہاں عربی وعجمی تہذیب باہم گلے ملتی تھی اور وہ عرب کے سادہ اور ایران کے پُر تکلّف معاشرہ کا امتزاج اور سنگم تھا، یہاں کے فقہاء نہ صرف ایک نئے عقیدہ سے بلکہ وہ ایک نئی تہذیب سے بھی آشنا ہوئے تھے، اس لیے اُن کے سامنے ایسے مسائل کثرت سے آتے تھے جن کے حل کے لیے قیاس اور رائے کے سوا چارہ نہ تھا اور ان کو بار بار اس امر کا احساس ہوتا تھا کہ نصوص جزئیات کے احاطہ سے قاصر ہیں اور واقعات وحوادث بے شمار ہیں۔ "النصوص معدودۃ والحوادث معدودۃ" فقہاء حجاز جو ایک خالص عربی تمدّن کے درمیان اجتہاد وافتاء کا فریضہ انجام دے رہے تھے، اس صورتِ حال سے دوچار نہ تھے۔

دوسرا فرق یہ تھا کہ علمی مسائل میں بھی عربوں کا مزاج سادہ اور تکلّفات سے خالی

تھا، یہ وہی مزاج تھا جس کو پیغمبرِ اسلام نے ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا کہ "نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب الشھر ھکذا و ھکذا" اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء حجاز کے یہاں قیل وقال کم ہے۔ استنباطِ احکام میں زیادہ تر نصوص کے ظاہری مفہوم پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف مشرقی علاقہ جو مختلف ادوار میں مختلف تحریکات اور افکار کی آماجگاہ رہ چکا تھا۔ ذہانت، دقّتِ نظر، موشگافی اور تشقیق اس کی خمیر میں داخل تھی، فقہاء عراق اس کو نظر انداز نہ کر سکتے تھے، اسی لیے فقہاء عراق کے ہاں قیل و قال، ممکن الوقوع مسائل و احکام پر بحث، نصوص کے ظاہری مفہوم کے ساتھ ساتھ اس کی تہ میں غواصی، احکام کی مختلف شقوں کا استخراج، احکام کی علّت اور اس کی حکمت پر نظر اور اُس کے تحت نصوص کی تخصیص اور مجمل کی تعیین اور الفاظ کی منطقی تحدید زیادہ پائی جاتی ہے۔

تیسرا فرق یہ تھا کہ مشرقی علاقہ کی اس ذکاوت و طبّاعی نے جہاں اس کو علوم اسلامی کا لالہ زار اور گلستانِ سدا بہار بنا دیا تھا اور حدیث و تفسیر اور مختلف علوم کی امامت اسی خطہ کو حاصل ہوگئی تھی، وہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہی علاقہ سیاسی معرکہ آرائی اور سیاست کے پہلو بہ پہلو اعتقادات کی طبع آزمائی اور مختلف فرق باطلہ کی فتنہ سامانی کا مرکز بھی بنا ہُوا تھا، اس کی وجہ سے وضعِ حدیث کی ایسی ارزانی ہُوئی کہ کوئی فرقہ تھا جس کے پاس اس کے عقائد و اعمال اور اس کی محبوب شخصیتوں کے فضائل و کمال کے لیے روایات کا ایک وافر ذخیرہ موجود نہ ہو۔ حجاز کے علاقہ میں نسبتًا یہ فتنہ اتنا شدید نہ تھا اُس نے فقہاء عراق کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ احادیث کے قبول کرنے میں خُوب حزم و احتیاط سے کام لیں ایسی روایتیں جو کتاب اللہ سے ادنٰی درجہ بھی مختلف محسوس ہوں، اُن کو قبول نہ کریں اور مجرد سند کی بجائے حدیث کے متن کو بھی درایت کی میزان پر رکھیں، احکام شرعی کی علّت کے استخراج پر خاص زور دیں تاکہ دین کا مجموعی مزاج منقح ہو اور اس کی روشنی میں قیاس و استنباط کریں۔ فقہاء حجاز اس صورتِ حال سے دوچار نہ تھے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے ہاں زیادہ تر روایات پر اکثر صرف رواۃ کی ثقاہت پر بحث

کی جاتی ہے احادیث کی بناء پر کثرت سے قرآن کے عموم میں تخصیص اور مطلق میں تقیید کا عمل کیا جاتا ہے اور راویوں کے بارے میں اس درجہ کی شدّت نہیں پائی جاتی جو فقہائے عراق برتتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ اور فقہاء عراق کی فقہ کے مزاج کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ حجاز و عراق کے حالات کے اس فرق کو سامنے رکھا جائے کہ اہلِ بصیرت پر یہ بات مخفی نہیں کہ یہ وہ خاص اسباب ہیں جن کی وجہ سے بہت سے احکام میں حجاز و عراق کے فقہاء کے طرزِ فکر اور طریقِ اجتہاد میں نمایاں فرق ہو جاتا ہے جیسے خبرِ واحد کے ذریعہ قرآن کے عموم میں تخصیص یا اطلاق میں تقیید، جن مسائل میں ابتلاء عام ہو ان میں خبرِ واحد کا مقبول ہونا یا نہ ہونا راوی کے تفقہ یا قوتِ حفظ کی وجہ سے روایت کی ترجیح، شریعت کے تسلیم شدہ اُصول و قواعد کے مقابلہ میں خبرِ واحد کی قبولیت اور عدمِ قبولیت وغیرہ۔

فقہ حنفی کا سلسلۂ نسب

جیسا کہ مَیں ذکر کر چکا ہوں، تمام دبستان فقہ جو کسی امام کی طرف منسوب ہیں، دراصل ایک شخص کی ذاتی رائے پر مبنی نہیں بلکہ وہ اس شہر کے علماء و فقہا کی آراء کا ترجمان ہے اور ان علماء کی آراء بالعموم ان فقہاء صحابہ کی آراء پر مبنی ہیں۔ جن کے قدم سے اس شہر اور خطہ نے رونق پائی تھی، چنانچہ غور کریں تو فقہ حنفی اَفقہ الامۃ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فقہ و فتاوٰی یا اُن کے ہی مختلف اقوال میں سے کسی کی ترجیح سے عبارت ہے، امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کا اور حضرت ابن مسعودؓ کی آراء کا تقابل کرو تو کم ہی مواقع ہوں گے جن میں فرق محسوس ہوگا اس فرق کا اندازہ کرنا ہو تو تشہد ہی سے متعلق روایات دیکھی جا سکتی ہیں، تشہد ۲۴ صحابہؓ سے مروی ہے مگر امام ابو حنیفہؒ نے ابن مسعودؓ مالکؒ نے حضرت عمرؓ اور شافعیؒ نے ابنِ عباسؓ کے تشہد کو ترجیح دیا ہے کہ ان ائمہ نے اصلاً انہیں صحابہ کے تلامذہ سے کسب فیض کیا تھا یہی حال اکثر مسائل و احکام میں ہے۔

اس لیے کوئی شبہہ نہیں کہ "فقہ حنفی" کی موجودہ صُورت کی تخم حضرت ابن مسعودؓ ہی نے سرزمین کوفہ میں ڈالی تھی جس کی نسل بہ نسل علقمہؒ، ابراہیمؒ اور حمادؒ نے آبیاری کی

اور اپنے اجتہاد کے ذریعہ اس میں اضافہ کرتے رہے، پھر اس سرمایہ کو امام ابوحنیفہؒ نے پُورے تفحص و تنقیح کے بعد مرتب کرایا، امام ابویوسفؒ نے پورے علاقہ مشرق میں اس کو رواج دیا اور امام محمدؒ نے ان دفینوں کو سینوں میں محفوظ فرمایا، اگر یہ کہا جائے کہ یہ فقہ حنفی کا سلسلہ نسب ہے تو غلط نہ ہو اسی کو لوگوں نے استعارہ کی زبان میں اس طرح کہا ہے اور خوب کہا ہے۔

"زرعہ ابن مسعود وسقاہ علقمۃ وحصدہ ابراھیم وداسہ حماد وطحنہ ابوحنیفۃ وعجنہ ابو یوسف وخبزہ محمد ویاکل منہا جمیع الناس"۔

ابن مسعود نے فقہ کی کاشت کی، علقمہ نے سیراب کیا، ابراہیم نے کاٹا، حماد نے دانے الگ کیے، ابوحنیفہ نے پیسا، ابو یوسف نے گوندھا، محمدؒ نے روٹی پکائی اور تمام لوگ اس روٹی میں سے کھا رہے ہیں۔

○

بقیہ: درسِ حدیث

کا مال ہے وہ وارث کے پاس اگر چلا جائے اور مورث ویسے ہی رہ جاتے خالی، تو پھر کیسی تکلیف کی بات ہوگی اس کے لیے، باپ ہے کاروبار کیا کارخانے لگائے ہیں سب کچھ کیا ہے کروڑوں پتی بن گیا اور اَب وہ یہ چاہ سکتا ہے کہ میرے پاس نہ رہے اور میرے بیٹوں کے پاس رہے اور مَیں اسی طرح فقیر کا فقیر رہوں یہ تو کوئی بھی نہیں چاہ سکتا کون ایسا ہے تم میں کہ جو یہ چاہے کہ اسکا مال اس کے وارث کے پاس ہو اور اس کے پاس نہ ہو، تو صحابہ کرام نے عرض کیا کوئی بھی ایسا نہیں جو یہ چاہتا ہو، تو آپ نے ارشاد فرمایا فَاِنَّ مَالَہٗ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِہٖ مَا اَخَّرَ اس کا مال تو وہ ہے جو اس نے خرچ کر دیا (اللہ کے لیے) اور آگے بھیج دیا اور جو چھوڑ گیا وہ اس کے وارثوں کا مال ہے وہ اسکا اپنا نہیں ہے، اُن کی مرضی ہے جیسے چاہیں خرچ کریں، نیکی میں خرچ کریں تو ممکن ہے کہ ثواب کا باعث ہو جائے، لیکن اگر بُرائی میں خرچ کیا، کیونکہ اختیار تو اُن کو ہے نیکی میں خرچ کریں یا بُرائی میں وہ تو اُن کا ہو چکا ہے تمہیں اپنے لیے اپنے آپ کر لینا چاہیے خود جتنا بھی کیا جا سکتا ہے، اللہ ہم سب کو اپنی ذات پاک سے تعلق نصیب فرمائے۔

دارالافتاء
جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

سوال : اگر کوئی پاکستانی تاجر کسی قسم کا مالِ تجارت بیرونِ ملک سے منگواتا ہے (Import) تو اس کا طریقہ پاکستان میں یہ ہے کہ

مقامی تاجر کسی بیرونی کمپنی یا اس کے نمائندہ سے بات کر کے مطلوبہ سامان کی قسم (Quality) مقدار قیمت (Price) اور پیکنگ (Packing) وغیرہ کے بارے میں تفاصیل طے کرتا ہے۔ پھر باہر کی کمپنی سے کیے ہوئے معاہدے کی نقل لے کر پاکستانی بنک میں جاتا ہے اور آنے والے مال کی ادائیگی کر کے بنک کو معاہدے کے مطابق مال منگوانے کے انتظامات کرنے کے لیے کہتا ہے (L/c) یعنی وہ متعلقہ کمپنی کو بذریعہ بنک یقین دلاتا ہے کہ اگر آپ مطلوبہ مال پاکستان بھیج دیں تو بنک ادائیگی کا ذمّہ دار ہے۔

بیرون ملک سے روانہ کرنے والی کمپنی مطلوبہ گارنٹی ملنے کے بعد وہ مال کسی جہاز پر لاد کر پاکستان روانہ کر دیتی ہے اور اس کی روانگی کی رسید (Bill of Loading) اور اپنا بل (Invoice) جرمن بنک کو دے کر اپنی رقم وصول کر لیتی ہے۔

جرمن بنک روانگی کی رسید اور بل اسی پاکستانی بنک کو روانہ کر دیتا ہے جس نے ادائیگی کی ذمّہ داری لی تھی۔ اُن کاغذات کے ملتے ہی پاکستانی بنک بیرونی بنک کو ادائیگی کر دیتا ہے۔

پاکستانی بنک پاکستانی تاجر سے باوجود صد فیصد ادائیگی کے مزید چودہ دن کا سود جسے اب مارک اپ (Mark up) کہا جاتا ہے لازمی وصول کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر دو لاکھ

روپے کا بل منگوایا ہے تو اس پر چودہ فیصد سالانہ کے حساب سے چودہ دن کا سود (۱۱۶۶/=) گیارہ سو چھیاسٹھ روپے وصول کرلیں گے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ بجائے اس رقم کہ اس سے کچھ زیادہ حتیٰ کہ دوگنی رقم بطور سروس چارجز (حق الخدمت) لے لیں لیکن وہ نہیں مانتے ان کے مطابق بنک والے (State Bank) حکومت کے بنک کے بنائے ہوئے قوانین کے پابند ہیں جس کے مطابق کم ازکم دو ہفتوں کا سود لازمی ہے۔

آپ سے یہ درخواست ہے کہ اگر کوئی تاجر بحالتِ مجبوری مال تجارت منگوانے پر ملکی قوانین سے مجبور ہوکر تھوڑی سی مقدار سود کی اداکر دے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی۔

کیا کسی مسلمان تاجر کو اس قسم کی تجارت بالکل نہیں کرنی چاہیے خواہ کسی دوسرے طریقے کی تجارت میں نفع بالکل معدوم ہوتا جارہا ہو۔

یا ایک ایسے ملک میں جس کا تمام نظام ہی سود پر منحصر ہے وہاں یہ قلیل مقدار سود ادا کر کے وہ تجارت کر سکتا ہے۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ میں عرصہ آٹھ سال سے مقامی طور پر خرید وفروخت کر کے جائز طریقے سے نفع کمانے کی سعی میں لگا ہوا ہوں، لیکن اب دن بدن مقامی تجارت میں نفع بھی کم ہوتا جارہا ہے۔ علاوہ ازیں گاہک ادھار مال خرید کر بہت تاخیر سے ادائیگی کرتے ہیں جبکہ بیرونِ ملک سے منگوائے ہوئے مال کی فروخت آسان ہے اور نفع بھی مناسب ہے۔

اُمید ہے آپ میری اس سلسلے میں رہنمائی کریں گے۔

الجواب باسم ملهم الصواب حامداً و مصلیاً

مذکورہ صورت میں بینک (Mark up) کے نام سے جو رقم لیتا ہے یہ دینے والے کی جانب سے سود نہیں بنتا۔

بینک اس کو جو چاہے نام دے دینے والا دینے والا اس کو سود سمجھ کر نہ دے کیونکہ وہ حقیقت میں سود ہے ہی نہیں بلکہ یہی سمجھ کر دے کہ بینک اپنا محنتانہ لے رہا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

جامعہ مدنیہ کے سالانہ امتحان رجب ۱۴۱۵ھ کی مفصّل رپورٹ

تعلیم کی مثال ایک عمارت کی سی ہے۔ عمارت کی مضبوطی اس کی بُنیادوں کی مضبوطی پر موقوف ہے جس قدر بنیاد مضبوط ہوگی اسی قدر اس پر ایک بلند و بالا عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے۔ یہی حال تعلیم کا ہے تعلیمی ترقی میں ابتدائی تعلیم و تربیت کو ایک اہم مقام حاصل ہے جن طلبہ کی ابتدائی تعلیم مضبوط ہوتی ہے اُنہیں آگے چل کر اعلیٰ تعلیم کے حصول میں کوئی قابلِ ذکر دشواری پیش نہیں آتی۔

جامعہ ہذا میں زیرِ تعلیم طلبہ کو دو بُنیادی حصوّں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو وہ جنھوں نے درسِ نظامی کی ابتدا ہی اسی جامعہ سے کی دوسرے وہ جو تعلیمی سال کے آغاز میں آکر حسبِ استحقاق مختلف درجات میں داخلہ لیتے ہیں۔ اُنھوں نے اس سال سے پہلے کے درجات مختلف مدارس و جامعات میں پڑھے ہوتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اُن کی سابقہ کمی (اگر ہے) پُورا کرنا ایک ناممکن سی بات ہے نیز جو طلبہ ابتدا ہی سے جامعہ میں زیرِ تعلیم ہیں اُن کی تعلیمی حالت کی ذمّہ داری بنسبت جدید طلبہ کے جامعہ پر زیادہ عائد ہوتی ہے۔ ان اُمور کو مدِّنظر رکھتے ہوئے عمائدینِ جامعہ نے محسوس کیا کہ ہمیں اپنی کارکردگی کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ لہٰذا دو سال پہلے یہ فیصلہ کیا گیا کہ سال میں ایک مرتبہ قدیم طلبہ کا ایک امتحان باہر کے جید علماء سے دلوایا جائے جو ان طلبہ کو اچھی طرح جانچنے کے بعد اپنی رائے دیں طلبہ کی علمی کمزوریوں کی نشاندہی کریں اور اُن کی بقیہ تعلیم کے بارہ میں اپنے مفید مشوروں سے جامعہ کو نوازیں۔ بحمد اللہ گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی مندرجہ ذیل علماءِ کرام جامعہ میں تشریف لائے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء

(۱) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدظلہ استاذ جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور۔

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب مدظلہ استاذ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

(۳) حضرت مولانا عبد القیوم صاحب نیازی، مہتمم و استاذ مدرسہ احیاء العلوم گلشنِ راوی لاہور۔

جامعہ ان حضرات کا انتہائی شکر گزار ہے کہ اُنھوں نے جامعہ کو اپنے قیمتی وقت سے نوازا۔ خاص کر اگر اُنھوں نے کسی جگہ کسی طالب علم کی کمزوری کی نشاندہی کی ہے تو اس پر جامعہ کی طرف سے انتہائی شکر گزاری کے مستحق ہیں کیونکہ یہ بات جامعہ کے لیے آئندہ تعلیمی اصلاحات میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

نتیجہ سالانہ تقریری امتحان ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۴ء

نام طالب علم	ولدیت	علاقہ	درجہ	کل نمبر	حاصل کردہ	فیصدی	التقدیر	کیفیت
محمد عارف	افتخار احمد	فیروزوالا۔ لاہور	عالیہ سالِ دوم	۵۰۰	۴۱۶	۸۳٫۲	ممتاز	اچھا ہے صَرف کمزور ہے۔
محمد عبیداللہ	مولانا عبدالرشید صاحب	شاد باغ لاہور	〃 〃	〃 〃	۴۱۳	۸۲٫۶	〃	اچھا ہے۔ لفظی ترجمہ پر مشق کی ضرورت ہے۔
حفیظ الرحمٰن	حافظ محمد سلیمان	قلعہ محمدی لاہور	عالیہ سالِ اوّل	〃 〃	۴۴۳	۸۹	〃	ماشاء اللہ بہت اچھا ہے انعام کے قابل ہے۔ مفتی عیسٰی صاحب
شکیل احمد	عبدالرحیم		〃 〃 〃	〃 〃	۳۷۸	۷۶	〃	اچھا ہے ماشاء اللہ مولانا یعقوب صاحب
سید مقصود میاں	مولانا سید حامد میاںؒ	جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور	خاصہ سال دوم	۶۰۰	۳۷۴	۶۲٫۳	جید جدا	اچھا ہے بیانِ مطالب کمزور ہے
عبدالستار انصاری	حاجی محمود احمد	تکیہ ذاہن شاہ لاہور	〃 〃 〃	۵۰۰	۲۹۷	۵۹٫۴	جید	〃 〃 〃 〃 〃 〃
محمد اعجاز	محمد اسحاق	قصور پورہ لاہور	خاصہ سال اوّل	۶۰۰	۴۲۰	۷۰	ممتاز	ماشاء اللہ اچھا ہے۔ مولانا عبدالقیوم صاحب نیازی
محمد عابد	نور احمد	موہنی روڈ لاہور	〃 〃 〃	〃 〃 〃	۴۴۲	۷۴	〃	ماشاء اللہ اچھا ہے مولانا محمد یعقوب صاحب جامعہ اشرفیہ
محمد عبیداللہ	محمد رحمت اللہ	نارنگ منڈی شیخوپورہ	〃 〃 〃	۶۰۰	۴۲۰	۷۰	〃	
محمد یاسر جاوید	جاوید اقبال	انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور	〃 〃 〃	〃 〃	۴۰۹	۶۸	جید جدا	کمزور ہے۔ مولانا عیسٰی صاحب
محمد شفیق الرحمٰن	محمد صدیق	سیالکوٹ	〃 〃 〃	〃 〃	۳۵۷	۶۰	جید جدا	〃 〃 〃 〃 〃 〃
محمد صدیق	محمد حبیب	کوٹ پنڈی داس شیخوپورہ	〃 〃 〃	〃 〃	۳۴۲	۵۷	جید	〃 〃 〃 〃 〃 〃
محمد عارف	منظور احمد	بھتوانہ جھنگ	〃 〃 〃	〃 〃	۴۴۲	۷۴	ممتاز	ماشاء اللہ اچھا ہے مولانا عبدالقیوم نیازی
کلیم الرحمٰن	محمد اسماعیل	فیروزوالا شیخوپورہ	عامہ سالِ دوم	〃 〃	۵۸۷	۹۸	ممتاز	
عبدالوحید	محمد یوسف	تلونڈی نارووال	〃 〃 〃	〃 〃	۵۷۶	۹۶	〃	
عمر فاروق	محمد مشتاق	مصری شاہ لاہور	〃 〃 〃	〃 〃	۵۸۲	۹۷	〃	
عبدالحی	مولوی اسداللہ	بغلان افغانستان	〃 〃 〃	〃 〃	۵۹۹	۹۹٫۸	〃	
نذیر احمد	عمر دین	تلونڈی نارووال	〃 〃 〃	〃 〃	۵۸۲	۹۷	〃	
عبدالماجد	قاری غلام سرور	لوہاری گیٹ لاہور	〃 〃 〃	۶۰۰	۵۸۵	۹۸	〃	
محمد یعقوب	احمد یار	بھلوال سرگودھا	عامہ سالِ اوّل	〃 〃	۵۵۰	۹۲	〃	

نام طالب علم	ولدیت	علاقہ	درجہ	کل نمبر	حاصل کردہ	فیصدی	التقدیر	کیفیت
جنید احمد	قاری محمد سعید		عامہ سالِ اوّل	۶۰۰	۵۴۸	۹۲	ممتاز	ماشاء اللہ اگر اسی طرح اساتذہ کرام
تنویر احمد	مظفر خان	باغ آزاد کشمیر	〃	〃	۵۴۸	۹۱ء۳	〃	کی توجہ اُن پر مبذول رہی تو انشاء اللہ
محمد اعظم	علاؤ الدین	چوک یتیم خانہ لاہور	〃	〃	۵۵۰	۹۲	〃	مستقبل میں یہ جماعت (عامہ سالِ اوّل) علم اور صلاحیت میں
محمد اکرم	محمد اقبال	نارووال	〃	〃	۵۴۵	۹۱	〃	اسلاف کی وارث ثابت ہو گی۔
اقبال حسن	احمد حسن	کریم پارک لاہور	〃	〃	۵۴۹	۹۲	〃	از: مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب
محمد قمر عاصم	محمد یعقوب	سانده لاہور	〃	〃	۵۵۰	۹۲	〃	
فیصل سعید	احمد سعید	کریم پارک لاہور	〃	〃	۵۴۹	۹۲	〃	
محمد شریف	امام بخش	حاصل پور بہاولپور	〃	〃	۴۹۰	۸۲	〃	
محمد عبداللہ	مولانا مفتی عبدالواحد	سمن آباد لاہور	متوسط سال سوم	۴۰۰	۳۸۵	۹۶ء۲	〃	
محمد قاسم	محمد صدیق	لاہور	متوسط سالِ دوم	۳۰۰	۲۶۹	۹۰	〃	
عبدالکریم	محمد انور	افغانستان	〃	〃	۲۶۰	۸۷	〃	
ذوالقرنین	محمد عمران	سمن آباد لاہور	〃	〃	۳۰۰	۱۰۰	〃	اوّل
نعمت اللہ	عبدالصمد	بغلان افغانستان	〃	〃	۲۹۹	۹۹ء۶	〃	
محمد فیضان	محمد ارشد	شاہ عالم لاہور	〃	〃	۲۷۹	۹۳	〃	
عبداللہ	عبدالرزاق	سکردو بلتستان	〃	〃	۲۹۸	۹۹ء۳	〃	
نوید احمد	غلام فرید	لاہور	〃	〃	۳۰۰	۱۰۰	〃	اوّل
قاسم محمود	قسمت اللہ	کشمیر	متوسط سالِ اوّل	۲۰۰	۲۰۰	۱۰۰	〃	
محمد جہانگیر	محمد اسلم خان	آزاد کشمیر	〃	〃	〃	〃	〃	
نعمان شیرازی	محمد نذیر	حنیف پارک لاہور	〃	〃	〃	〃	〃	
شکیل احمد	محمد رفیق	خانپور رحیم یار خان	〃	۲۰۰	۲۰۰	۱۰۰	ممتاز	
محمد منیر	محمد شریف خان	حنیف پارک لاہور	〃	〃	〃	۱۰۰	ممتاز	

نام طالب علم	ولدیت	علاقہ	درجہ	کل نمبر	حاصل کردہ	فیصدی	التقدیر	کیفیت
عطاء الرحمن	محمد اشرف	صدیق پورہ ۔ لاہور	متوسط سالِ اوّل	۲۰۰	۱۹۵	۹۷٫۵	ممتاز	
محمد سرفراز	محمد علی		〃 〃 〃	۲۰۰	۱۹۹	۹۹٫۵	〃	
ساجد الرحمن	عبداللطیف	کوٹ ادو مظفر گڑھ	〃 〃 〃	〃 〃	۱۹۸	۹۹	〃	
عبدالباسط	قاری ولی محمد	لاہور	〃 〃 〃	۲۰۰	〃 〃	〃 〃	〃	
محمد الیاس	محمد اکرم	〃	متوسط سالِ اوّل	〃 〃	۱۹۴	۹۷	〃	
محمد اویس	دین محمد	امین پارک لاہور	〃 〃 〃	〃 〃	۱۹۵	۹۷٫۵	〃	
عامر اقبال	محمد اقبال	لاہور	متوسط اوّل میٹرک	۳۰۰	۲۹۵	۹۸٫۳	ممتاز	
عبدالرحمن	حبیب اللہ	آزاد کشمیر	〃 〃 〃	〃	۲۹۵	۹۸٫۳	ممتاز	

نوٹ : بحمد اللہ جمیع قدیم طلبہ کا امتحانی نتیجہ زیادہ سے زیادہ سو فیصد (۱۰۰٪) اوسط نواسی فیصد (۸۹٪) اور کم از کم ستاون فیصد (۵۷٪) رہا۔

○

جمیل الفتاویٰ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ

ادارہ اشرف التحقیق میں فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی قدس سرہ کے فتاویٰ و رسائل اور سوانح عمری کی ترتیب کا کام شروع ہے عنقریب جلد اول ہدیہ ناظرین کی جائے گی۔ احباب سے استدعا ہے کہ اگر کسی صاحب کے پاس حضرت کا کوئی فتویٰ یا مضمون یا کوئی بھی تحریر ہو تو وہ اسکی فوٹو کاپی ارسال فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

فوٹو کاپی کا خرچ اگر لینا چاہیں تو تحریر فرمادیں انشاء اللہ ارسال کردیا جائے گا۔

آپ کے تعاون کا متمنی

خلیل احمد تھانوی بن حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

دار الافتاء ۔ دار العلوم الاسلامیہ ۲۹۱۔ کامران بلاک

علامہ اقبال ٹاؤن لاہور ۔ فون نمبر ۴۴۸۰۶۰

ہندوستان کے مشہور ادیب و ماہرِ غالبیات مالک رام کا قبولِ اسلام

ذیل کا خط ہندوستان کے مشہور ادیب اور ماہر غالبیات مالک رام کا ہے جو انہوں نے انتقال سے پانچ روز قبل لکھا' ۱۸؍اپریل ۱۹۹۳ء کو انتقال ہوا اور ۱۳؍اپریل کو انہوں نے یہ خط لکھا۔

13/4/1993

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشفق من سلام مسنون

چند یوم قبل بھی ہمدردی اور درد سے بھرا ہوا مکتوب موصول ہوا' فوراً جواب اس کا حق تھا مگر غور و فکر کرتا رہا۔ آج کل میں ہسپتال پہنچا۔ اپنے کرم فرما حافظ اقبال امینی جو ایک بھولے بھالے اور مخلص مسلمان ہیں کو بلوا کر انہیں سے یہ خط ہسپتال میں تحریر کرا رہا ہوں' چاہئے تو یہ تھا کہ خود حاضر ہو کر آپ کی محبت اور احسان کا حق تو کیا بس زبانی شکریہ ادا کرتا۔ مگر اس حال میں نہیں اتنے مسلمان دوستوں سے زندگی میں واسطہ پڑا مگر آپ سا دوست اور آپ سا مخلص 'لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین کا مفہوم سمجھ میں آگیا میں حافظ اقبال اور آپ کو گواہ بنا کر اقرار کرتا ہوں

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله' امنت بالله کما هو باسمائه و صفاته و قبلت جمیع احکامه' امنت بالله و ملئکته و کتبه و رسله و الیوم الاخر و القدر خیره و شره من الله تعالی و البعث بعد الموت' رضیت بالله ربا و بالاسلام دینا و بمحمد رسولا صلی الله علیه و سلم' و بالقران کتابا' الحمد لله الذی هدانا لهذا و ما کنا لنهتدی لولا ان هدانا الله

کل قیامت کے دن آپ سے وصول کرلوں گا کاش اللہ تعالیٰ صحت یاب فرمائے تو کچھ کفر و شرک کی زندگی کی تلافی اور اپنے سب سے بڑے محسن کی زیارت خود خدمت میں حاضر ہو کر کر سکتا۔

آپ کے احسان کا اجر بس مولائے کل ہی دے سکتا ہے جس نے ساری عمر کے گم کردہ راہ کو ہدایت اور توفیق بھی عطا فرمائی۔ کاش آپ سے پہلے ملاقات ہو گئی ہوتی' اس کی دعا بھی آپ ہی کریں۔ اللهم من احییته منا فاحیه علی الاسلام و من توفیته منا فتوفه علی الایمان

اللہ آپ کو سلامت رکھے اور آپ کی عمر دراز کرے

والسلام مع الاکرام

خاکسار

عبد المالک

مالک رام

(بحوالہ ارمغان دعوت ص: ۱۱۵، ۱۱۶)

بزمِ قارئین

جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ انوارِ مدینہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعد تحیاتِ مؤدبانہ وتسلیمات مخلصانہ گزارش ہے کہ جناب کی بڑی نوازشات کا شکریہ کہ ماہنامہ اعزازی نمبر ۶۳ بندہ کو مسلسل وصول ہو رہا ہے۔ میرے اپنے عاجزانہ تأثرات یہ ہیں کہ اس کے مضامین میں شائستگی ہوتی ہے اور ایک مضمون (ایصالِ ثواب للاموات) از مولانا محمد منظور احمد نعمانی ایڈیٹر الفرقان کا جو کہ کئی اقساط میں شائع ہوا ہے نہایت جاندار ہے اور افراط وتفریط سے منزہ اور مبرہ ہے اور حقیقت میں قوم کی اصلاح میں نہایت ٹھوس ہے اور اس کے علاوہ دیگر مضامین بھی اعلیٰ اور اکمل اور اجمل ہوتے ہیں۔ یہ ایک قلمی جہاد ہے اور علماء اس وقت عنقا ہو رہے ہیں اس کے جملہ مواد کے متعلق یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ صحیح طور پر جب اس کو مطالعہ میں لانا ہوتا ہے تو چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے اور جہالت کی رسومات پر سیر حاصل بحث ہوتی ہے اور اس کی کتابت، طباعت اور کاغذ بھی نہایت دیدہ زیب اور شستگی میں عمدہ اور دلنشین اور رُوح افزاء ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے طابعین شائقین اور معاونین خصوصاً مولانا رشید میاں صاحب، محمود میاں صاحب، مسعود میاں صاحب مولانا نعیم الدین صاحب مولانا عبدالواحد صاحب کو اور اس ماہنامہ اور اس ادارہ (جامعہ مدنیہ) کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے اور جو کہ حکومت پاکستان نے اِن اسلامی اور روحانی اداروں کے لیے لائحہ عمل اختیار کر رکھا ہے بالکل حکومت کی نا اہلی کا ایک شاخسانہ ہے مگر اِن اداروں کو ختم کرنے والے خود ختم ہو گئے اور یہ دینی ادارے بند نہ ہو سکے کیونکہ یہ ادارے اس کام میں سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں۔ دلی دُعا ہے اللہ تعالیٰ اِن دینی اداروں کو قائم ودائم رکھے آمین ثم آمین یا الہ العالمین۔

فقط

والسّلام حکیم عبدالرّحیم

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ ۲۱ فروری ۱۹۹۵ء

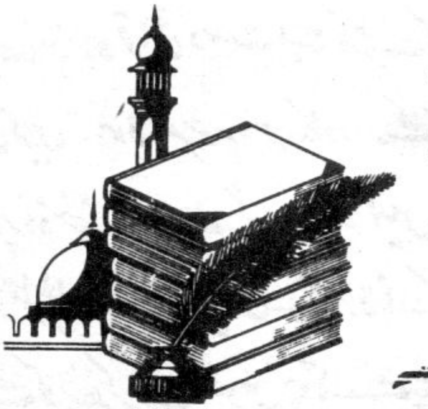

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب　:　خطباتِ دینپوریؒ (جلد اول و دوم)

افادات　:　حضرت مولانا عبدالشکور دینپوری رحمۃ اللہ علیہ

مرتب　:　قاری جمیل الرحمن اختر

صفحات　:　ج اول ۳۵۲ ، جلد دوم ۳۸۴

ناشر　:　انجمن خدام الاسلام باغبانپورہ لاہور

قیمت　:　۱۴۹/=

تبلیغِ اسلام کے ذرائع میں سے ایک مؤثر ذریعہ خطابت ہے، تاریخ اسلام کے ہر دور میں بڑے بڑے خطباء امت گزرے ہیں جنہوں نے خطابت کے ذریعہ سے زندوں میں جوش اور مردہ دلوں میں نئی روح پھونکی ہے۔ اس اخیر دور میں علماء اہلسنت میں سے چند مشہور خطیب گزرے ہیں۔ جن میں امام انقلاب مولانا ابوالکلام آزاد، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی، حکیم الاسلام قاری محمد طیب، امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک سنہری کڑی مولانا عبدالشکور دینپوری رحمہ اللہ ہیں۔

راقم الحروف کو آپ کے بہت سے خطبات سننے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ آپ کی تقریر میں دریا کی سی روانی اور موجوں کا سا جوش و خروش ہوتا تھا۔ آپ رُلاتے بھی تھے، ہنساتے بھی تھے الفاظ کی بندش اور قافیہ جوڑنے میں آپ کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ آپ کی تقریر سے ایسے معلوم ہوتا

تھا جیسے الفاظ و قوافی دست بستہ کھڑے کہہ رہے ہوں کہ ہم آپ کے لیے ہیں آپ ہمیں جیسے چاہیں استعمال کریں۔ مولانا مرحوم دین کا درد رکھنے والے متواضع اور منکسر المزاج انسان تھے، وفات کے بعد پردۂ خفاء میں چلے گئے تھے۔ کہیں ان کا نام بھی سننے کو نہیں آتا تھا۔ اللہ بھلا کرے مولانا جمیل الرحمٰن صاحب کا، انہوں نے مولانا کے خطبات شائع کرکے مولانا کا نام زندہ کردیا ہے۔ ان خطبات کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مولانا سامنے کھڑے بول رہے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے خطبات دینپوری کی دو جلدیں ہیں اور دونوں میں دس دس خطبات ہیں۔ پہلی جلد کے دس خطبات درج ذیل ہیں۔ (۱) توحید باری تعالیٰ (۲) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) فضائل و مناقب سیدنا ابوبکرؓ (۴) فضائل و مناقب حضرت عمر فاروقؓ (۵) فضائل و مناقب حضرت عثمان غنیؓ (۶) فضائل و مناقب حضرت علیؓ (۷) فضائل و مناقب حضرت ابوبکرؓ و حضرت حسینؓ (۸) فضائل و مناقب حضرت عائشہؓ (۹) فضائل علم و عمل (۱۰) مناقب حضرات علماء دیوبند۔

دوسری جلد کے دس خطبات یہ ہیں (۱) توحید باری تعالیٰ اور حقوق والدین (۲) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت (۳) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مبلغ (۴) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اور اہل سنت (۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج (۶) فضائل خلفاء راشدین (۷) فضائل شب برأت اور احترام والدین (۸) روزہ کیا ہے (۹) عظمت مسجد (۱۰) فضائل قربانی۔

پہلی جلد کے شروع میں مولانا دینپوریؒ کی مختصر سوانح بھی درج کردی گئی ہے۔ مولانا کے یہ خطبات عوام، ائمہ، خطباء اور طلباء کے لیے یکساں مفید ہیں۔ عمدہ کتابت و طباعت اور خوبصورت جلد سے مزین یہ دونوں جلدیں مناسب نرخ پر مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔

نام کتاب : دروس الحدیث (جلد دوم)

افادات : حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم

مرتب : الحاج لعل دین ایم اے

صفحات : ۴۰۸

ناشر : مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت : ۹۰/=

حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم جہاں تفسیر قرآن کی سعادت سے بہرہ مند ہیں وہیں اللہ تعالیٰ نے آپ سے تشریح حدیث کا کام بھی لیا ہے۔ عرصہ سے آپ کا معمول تھا کہ آپ ہفتہ میں چار دن درس قرآن اور باقی دن درس حدیث دیتے تھے۔ انہیں دروسِ حدیث کو کیسٹ سے نقل کر کے کتابی شکل دے دی گئی ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے دروس الحدیث کی دوسری جلد ہے۔ اس جلد میں مسند امام احمدؒ کی دوسو اٹھہتر [۲۷۸] احادیث کی ترجمہ کے ساتھ تشریح بیان کی گئی ہے۔ جن میں سے چوراسی [۸۴] احادیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ہیں۔ اناسی [۷۹] احادیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ ہیں۔ اور ایک سو پندرہ [۱۱۵] احادیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ ہیں۔ شروع میں ان تینوں جلیل القدر بزرگوں کی سوانح حیات درج کر دی گئی ہے، کتاب کا اسلوب اس طرح ہے کہ اوپر جلی قلم حدیث درج کی گئی ہے۔ اس سے نیچے اس کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ اور اس سے متصل تشریح بیان کی گئی ہے۔ جنہوں نے حضرت صوفی صاحب کے دروس القرآن کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ حضرت کی زبان و بیان سے واقف ہوں گے، جو انداز حضرت کا وہاں ہے بالکل وہی انداز یہاں بھی ہے۔ ترجمہ انتہائی شگفتہ و سلیس ہے اور تشریح اختصار کے باوجود سیر حاصل۔

عمدہ کتابت و طباعت، ڈائی دار جلد سے مزین انتہائی مناسب قیمت پر یہ کتاب مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ قارئین ضرور اس سے استفادہ فرمائیں۔ چند باتیں مرتب صاحب کے گوش گزار کرتی ہیں

(۱) متنِ حدیث اگر پورا نقل نہ کیا جائے تو آگے الخ لکھنے کے بجائے مناسب ہے کہ "الحدیث"، لکھا جائے۔

(۲) ترجمہ و تشریح اس طرح ساتھ ساتھ لکھے گئے ہیں کہ عام قارئین کے لیے دونوں میں امتیاز مشکل ہے، ایسا کیا جائے کہ ترجمہ کے لیے ایک بغلی سرخی - ترجمہ - کے عنوان سے دی جائے جب ترجمہ ختم ہو تو معمولی سا رول لگا کر پھر ایک بغلی سرخی - تشریح - کے عنوان سے دی جائے۔

(۳) اکثر مقامات پر لفظ ائمہ کی الف پر مد لگا ہوا ہے یہ غلط ہے۔

(۴) صفحہ نمبر ۱۶۵ پر درج ہے کہ " جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ان کی (حضرت عبداللہ بن عباسؓ) عمر صرف دس سال تھی" اسے اچھی طرح دیکھ لیا جائے کہ دس صحیح ہے یا تیرہ۔

نام کتاب : تذکرہ منبع علوم وفنون (سوانح حضرت قاری اظہار احمد صاحبؒ)

مرتب : عزیر احمد تھانوی

صفحات : ۵۰۴

سائز : ۲۰×۳۰/۸

ناشر : قرارت اکیڈمی ۲۸۔ الفضل مارکیٹ ۱۷۔ اردو بازار لاہور۔

قیمت : ۱۶۰/=

تھانہ بھون، ہندوستان کے صوبۂ یو پی کا ایک انتہائی مردم خیز قصبہ ہے، اس قصبہ سے بڑے بڑے نامور علماء و فضلاء نے جنم لیا ہے، حضرت قاضی محمد اعلیٰ (م ۱۱۹۱/۱۷۷۷ء) حضرت شیخ محمد محدث (م ۱۲۹۶/۱۸۷۹) سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷/۱۸۹۹) حضرت حافظ ضامن شہید (م ۱۲۷۴/۱۸۵۷) رحمہم اللہ اسی سرزمین کے باشندے تھے، یہیں خانقاہ امدادیہ تھی جو اولیاء و صوفیاء کا مسکن تھی، جسے "کانِ معرفت" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اسی خانقاہ میں بیٹھ کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (م ۱۳۶۲/۱۹۴۳) پینتالیس چھیالیس برس تک علوم و معرفت کے موتی بکھیرتے رہے۔

اسی قصبۂ تھانہ بھون کے ایک فردِ فرید حضرت قاری اظہار احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں قاری صاحب موصوف ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک نہایت خلیق و ملنسار انسان تھے، چال ڈھال، رفتار و گفتار میں بالکل لکھنوی انداز تھا۔ اپنی وضع داری کے سبب ہر مکتبۂ فکر میں یکساں مقبول تھے، اس دور میں فن تجوید و قرارت کے امام اور ایک جیّد عالمِ دین تھے، بہت سی کتابیں آپ کی علمی یادگار ہیں۔ زیر نظر کتاب "تذکرہ منبع علوم وفنون"، حضرت قاری صاحب کی مفصّل سوانح حیات ہے، جو آپ کے صاحبزادہ محترم عزیر احمد صاحب نے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی کے ساتھ

ترتیب دی ہے، عزیر صاحب چونکہ اس میدان کے نووارد ہیں، اس لیے قارئین اس کتاب میں زبان وادب کی چاشنی تو شاید نہ پا سکیں، لیکن سچ یہ ہے کہ عزیر صاحب نے اپنے والد محترم کی سوانح کا حق ادا کر دیا ہے۔ آپ نے اس میں حضرت قاری صاحب کے بہت سے نامور تلامذہ کے مضامین بھی شامل فرمائے ہیں اور کچھ نادر تحریرات حضرت قاری صاحبؒ کی بھی شامل کی ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ حضرت قاری صاحب کے نام اکابر کے قیمتی خطوط بھی درج کر دیئے ہیں، اس بنا پر یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ یہ سوانح صرف ایک سوانح ہی نہیں بلکہ قیمتی معلومات کا ایک خزانہ بن گئی ہے۔

کتاب کا نام "تذکرہ منبع علوم وفنون" بہت ثقیل معلوم ہو رہا ہے۔ مناسب ہے اسے بدل کر کوئی سہل نام رکھ جائے۔ صاحبزادہ محترم کو اس طرف توجہ دلانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ اگر اس کتاب کو تصاویر سے آلودہ نہ کرتے تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ اول تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تصاویر کے خلاف بہت سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں۔

دوسرے صاحبِ سوانح کوئی دنیادار شخص نہیں تھے بلکہ وہ انتہائی متقی وپرہیزگار متبعِ سنت بزرگ تھے، ہمیں یقین ہے کہ اگر وہ حیات ہوتے تو ہرگز اس چیز کو پسند نہ فرماتے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس گناہ کے کام سے وہاں ان کی روح بے چین ہوتی ہو اس لیے اُن کے اَخلاف کو چاہیئے کہ وہ اس سے گریز کریں۔ بہرطور کتاب مجموعی طور پر نہایت عمدہ ہے۔ کمپوزنگ کتابت بہترین طباعت اور ڈائی دار جلد سے مزین یہ کتاب مناسب نرخ پر مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ حضرت قاری صاحب کے متوسلین اور دیگر قارئین اس سے ضرور استفادہ فرمائیں۔

ن — ا

اِس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اَجر اور اسکے اِستحکام، بقاء، اور ترقی کا باعث ہوگا۔

ماہنامہ انوار مدینہ لاہور

★ اِس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنایئے۔
★ اِس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے
★ اِس کے لیے مضامین لکھیئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے۔